ماہنامہ
صراطِ مستقیم
برمنگھم
September 2021

وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 41 No. 11 September 2021

Muharram-ul-Haram/Safar 1443 AH

جلد: 41 شمارہ: 11 ستمبر 2021ء

محرم الحرام/صفر 1442ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:
SIRAT-E-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ
Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK
www.mjah.org.uk/siratemustaqeem
E-mail: info@mjah.org.uk

(نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں)

دعوت و تبلیغ کے میدان میں سرگرم عمل دعاۃ کی مختلف قسمیں ہیں، ان میں دو بہت مشہور ہیں۔ کسی دینی مدرسہ سے فارغ التحصیل علماء کرام اور دوسرے ایسے عصری تعلیم یافتہ لوگ جو دعوتی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ ان ہی کو عموماً برادرز کہا جاتا ہے۔ برادرز کی اصطلاح کی تشریح مختلف لوگوں نے اپنے اپنے پس منظر کے لحاظ سے کی ہے لیکن ان سب کے درمیان ایک بات قدر مشترک ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دینی تعلیم کسی مدرسہ سے باقاعدہ حاصل کرنے کے بجائے اپنے ذوق کے مطابق خود سے دین سیکھنے کی کوشش کی اور کچھ کتابوں کا ذاتی مطالعہ کر کے اور کبھی جزوی طور پر کسی عالم دین سے کچھ اسباق پڑھ کر دعوتی میدان میں سرگرم عمل ہو گئے۔ مشہور ناشر اور مصنف محترم ابو بکر قدوسی صاحب نے جو تعریف کی ہے وہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

"یہ وہ معزز لوگ ہیں کہ جنہوں نے دین کا علم کسی مدرسہ میں باضابطہ طور پر حاصل نہیں کیا بلکہ یہ استعداد انہوں نے ذاتی محنت اور مطالعہ کے سبب یا نجی طور پر کسی استاد سے استفادہ کرتے ہوئے اللہ کی رحمت سے حاصل کی۔ ہندوستان کے احباب ان ہی کو برادرز کے نام سے مخاطب کرتے ہیں۔"

پھر آگے لکھتے ہیں کہ

"میں ایمانداری سے سمجھتا ہوں کہ اس معاملہ میں ہم افراط اور تفریط کا شکار ہیں، اہل علم ان کے بارہ میں شدید رائے رکھتے ہیں جو کہ درست رویہ نہیں۔ ان کا تجزیہ کیجیے اس میں منفی اور مثبت پہلو زیر غور لائیں۔ اس کے بعد رائے مقرر کیجیے۔

پھر آگے مختلف برادرز کی مثبت مثالیں پیش کیں، جیسے ڈاکٹر ذاکر نائیک، محترم عبد الرحمٰن کیلانی مصنف تفسیر تیسیر القرآن، محترم اقبال کیلانی، حافظ ابتسام الٰہی ظہیر وغیرہ وغیرہ۔ جو کسی مدرسہ کے فارغ نہیں لیکن دفاع دین اور تبلیغ دین کے حوالہ سے ان کی خدمات کا پلڑا بہت سے اہل علم کی خدمات سے بھاری ہو جائے۔"

محسوس کیا جارہا ہے کہ چند دنوں سے ان برادرز کے خلاف اعتراضات کی اچانک باڑ سی آگئی ہے۔ اگرچہ کہ کچھ اہل علم نے ان پر پہلے بھی تنقید کی لیکن ان کی تعداد بہت کم اور بڑی حد تک تعمیری نوعیت کی تھی، لیکن اب دیکھا گیا ہے کہ گویا چاروں طرف سے یلغار شروع ہو گئی اور غور طلب بات یہ ہے کہ اکثریت کا ہدف ڈاکٹر ذاکر نائیک کی ذات ہے۔ حالانکہ سب یہ کہتے ہیں کہ ایسے برادرز یا داعیان دین بڑی تعداد میں موجود ہیں تو بجا طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نشانہ خصوصی طور پر ڈاکٹر ذاکر نائیک ہی کیوں!

کہیں ہم غیر شعوری طور پر غلط سمت تو نہیں چل پڑے، یا خفیہ ہاتھوں کا آلہ کار تو نہیں بن رہے ہیں جو صرف ایک نقطہ لگا کر تماشہ دیکھنے لگتے ہیں اور پھر کھیل کا دائرہ اتنا پھیلتا جاتا ہے کہ نقطہ لگانے والے کا سراغ لگانا مشکل ہو جاتا ہے لیکن کاز کو ناقابل تلافی نقصان ہو چکا ہوتا ہے۔

احباب کی تحریروں میں سرخیاں کچھ اس انداز سے لگائی جارہی ہیں کہ اس میں عدم توازن واضح محسوس ہوتا ہے جیسے برادرز کا فتنہ!

برادرز سے ہوشیار باش! وغیرہ

خصوصاً ڈاکٹر ذاکر نائیک کے خلاف حکومتی مشینریاں متحرک ہیں حتی کہ حکومت ہند نے ان کی گرفتاری کے لیے انٹرپول کے ذریعہ دو مرتبہ ناکام کوشش کی، خوف اور لالچ کا سہارا لے کر الگ سے کارروائی جاری ہے۔ ہم ان نازک حالات میں کہیں غیر شعوری طور پر ان ہی طاقتوں کے آلہ کار تو نہیں بن رہے ہیں۔

ورنہ جہاں تک ڈاکٹر ذاکر نائیک کی دینی خدمات کا تعلق ہے، انہیں مختلف ممالک اور معتبر شخصیات کی جانب سے سراہا گیا، سعودی عرب، عرب امارات، ملیشیاء وغیرہ وغیرہ نے ان کی اسلامی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اعلیٰ ترین اعزازات سے نوازا، تاہم کمال صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کو ہے، ہر بشر کے کام میں نقص کا امکان ہوتا ہے، ڈاکٹر ذاکر نائیک یا کوئی بھی داعی دین اس قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں، لیکن غلطی کی نشاندہی کا اسلوب بھی دینی ہو اور ناقد حالات سے باخبر ہو تو بہتر نتائج کی امید کی جاسکتی ہے، ورنہ یہ حرکت بجائے خود غلط سمجھی جائے گی۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک نے متعدد بار یہ واضح کیا کہ دینی تعلیمات کی بنیاد قرآن مجید اور صحیح احادیث پر ہے، میں اسی کو مصدر و مرجع سمجھتا ہوں، اس کو بغیر کسی تاویل کے قبول کرتا ہوں، لیکن کسی شخص کی رائے یا اجتہاد ہو تو اس شخص معین کے فیصلہ کو قبول کرنے کا پابند نہیں۔

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا دینی تعلیمات سے واقف ہونے کے لیے مدرسہ میں داخلہ لے کر درس نظامی کی تکمیل لازمی ہے، یہ بات درست نہیں، البتہ اتنا کہا جاسکتا ہے کہ جو دینی مدارس میں باقاعدگی

سے تعلیم حاصل کریں عموماً ان کے علم میں پختگی ہوتی ہے، وہاں ضروری مضامین مناسب ترتیب کے ساتھ ماہر اساتذہ پڑھائیں گے۔

وقتاً فوقتاً طالب علم کی تشنگی اور الجھن بھی دور کی جاتی رہے گی، وہاں طالب علم کی اصلاح بھی ہوتی رہتی ہے لیکن جو لوگ ذاتی مطالعہ اور ذوق سے دینی تعلیم حاصل کریں ان کے سامنے یہ خطرات رہتے ہیں کہ وہ جس کتاب کا انتخاب کر رہے ہیں ان کے علمی پس منظر کے اعتبار سے کیا وہ ان کے لیے مناسب ہے اور زیر بحث عنوان سے وہ جو نتیجہ اخذ کر رہے ہیں کیا وہ درست ہے، چونکہ بروقت ان کی رہنمائی نہیں ہو پاتی اس لیے خطرہ رہتا ہے کہ غلط انتخاب کہیں انہیں جادۂ حق سے دور نہ کر دے۔ اس لیے یہ مناسب ہے کہ اگر مدرسہ میں تعلیم نہ بھی حاصل کر سکیں تو کسی لائق استاذ کی نگرانی میں مطالعہ جاری رکھیں، تاکہ بروقت مناسب ہدایات اور رہنمائی کی راہیں کھلی رہیں اور احتیاط کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی ادھوری معلومات کی بنیاد پر فتویٰ دینے میں عجلت نہ دکھائیں۔

معتبر علماء سے استفادہ اور ان کی طرف رجوع کرنا ہر صورت میں بہتر اور پسندیدہ طرز عمل ہے۔ اس مسئلہ میں ڈاکٹر ذاکر نائیک کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس پر عمل کرتے ہیں، مختلف اہل علم سے انہوں نے ماضی میں بھی استفادہ کیا ہے اور اب بھی کرتے ہیں، خصوصاً اہم مسائل میں اپنی رائے دینے سے پہلے ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مختلف علماء نے اس کی گواہی دی ہے، وہ سعودی عرب کے خصوصاً مختلف علماء سے کسب فیض کرتے رہے۔ ہاں اس میدان میں مصروف اکثر بردارز کے متعلق ہم یہ گواہی نہیں دے سکتے۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب کے مدینہ منورہ میں قیام کے دوران پروفیسر ڈاکٹر شیخ ضیاء الرحمٰن اعظمی مدینہ یونیورسٹی رحمۃ اللہ علیہ نے مشورہ دیا تھا کہ فتویٰ وغیرہ دینے سے حتیٰ الامکان پرہیز کریں، ویسے بھی شیخ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ اپنی خصوصی مجالس میں دعاۃ کو عموماً یہی مشورہ دیا کرتے تھے کہ عوامی اجتماعات میں فتویٰ دینے سے گریز کریں، کیونکہ فتویٰ کی کچھ نزاکتیں ہوتی ہیں اور بسا اوقات مقرر کے سامنے جو مجمع ہوتا ہے ان کی رعایت کرتے ہوئے وہ جواب دیتا ہے جس میں مسئلہ کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا لیکن وہی فتویٰ جب میڈیا کے ذریعہ عام کر دیا جائے تو پھر مختلف قسم کے شبہات پیدا ہوتے ہیں، یوں داعی کے پوزیشن کمزور ہو جاتی ہے پھر اس کا وقت اپنے دفاع اور وضاحت میں ضائع ہونے لگتا ہے۔ شیخ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مشورہ صرف برادرز کے لیے نہیں ہوتا بلکہ علماء اور مدارس کے فارغین کے لیے بھی ہوتا۔

اس کی تازہ مثال کورونا وائرس اور لاک ڈاؤن اور اس دوران احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کیلئے مختصصین کے مشورہ کے برخلاف کچھ علماء کرام اور برادرز کے فتاویٰ جگ ہنسائی کا سبب بنتے رہے۔ شیخ احمد دیدات اپنے پروگرامز میں عموماً اعلان کیا کرتے تھے کہ مجھ سے عیسائیت کے متعلق سوالات کیجیے۔ فقہی مسائل مجھ سے نہ پوچھیے، شیخ احمد دیدات، ڈاکٹر ذاکر نائیک اور مختلف داعیوں نے حسب ضرورت مناظرے بھی کیے۔ مناظرہ کا اپنا اسلوب ہوتا ہے، اس کے لیے زیر بحث موضوع پر دسترس کے علاوہ اہم عنصر مناظر کا استحضار اور قوت گویائی ہے، ممکن ہے ایک شخص بڑا عالم ہو لیکن میدان مناظرہ میں چند منٹ بھی ٹک نہ سکے، ہو سکتا ہے کوئی منجھا ہوا، لائق استاذ ہو لیکن میدان خطابت میں ناکام ہو جائے، لکل فن رجال۔

برصغیر کے نامور عالم دین، رئیس المناظرین مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ جو میدان مناظرہ کے بجا طور پر شہسوار تھے، مختلف موقعوں پر موصوف کو آریہ سماج، نصاریٰ وغیرہ وغیرہ سے مناظرہ کے لیے مختلف مکاتب فکر کے علماء اپنا نمائندہ تجویز کیا کرتے اور مولانا کا کمال تھا کہ اپنے مدمقابل کو آسانی سے قابو کر لیتے بلکہ بسا اوقات چند لمحوں میں زیر کر لیتے، کبھی منطقی دلائل کے زور پر، کبھی معروضی حالات کا سہارا لیتے ہوئے اور کبھی علمی دلائل کے ذریعہ، بعد میں اگر کوئی مناظرہ کی روئیداد پڑھتے ہوئے اطمینان سے پیش کردہ دلائل کا جائزہ لے تو ممکن ہے کہ بعض دلائل میں کوئی زیادہ علمی وزن دکھائی نہ دے، لیکن موقع محل کی مناسبت سے جو بات کی گئی اس سے بہتر وہاں نہیں ہو سکتی تھی، اس لیے کہ مدمقابل اور مجمع کے لحاظ سے وہی اسلوب مناسب ہو سکتا تھا جو مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے بروئے کار لایا، موقع کی مناسبت سے مناظر کی طرف سے کچھ ایسی ذو معنیٰ باتیں بھی کی جاتی ہیں جن کے مختلف معانی نکالے جا سکتے ہیں، مگر انصاف کا تقاضا ہے کہ ان جملوں کو اسی پس منظر میں دیکھنا چاہیے، ورنہ مفہوم مخالف لیا جائے یا پس منظر کے بغیر وہ بات نقل کی جائے تو اس سے غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ بعض معترضین نے ایسا ہی اسلوب روا رکھا۔

ایک اعتراض پیس ٹی وی کے چند مقررین کے حوالہ سے بھی کیا جا رہا ہے کہ وہ منہج سلف پر پورے نہیں اترتے، پھر انہیں کیوں موقع دیا گیا، اس کے جواب سے پہلے خود اس ٹی وی چینل کی افادیت کا اندازہ لگائیے کہ اردو ناظرین کا حلقہ تقریباً پانچ کروڑ افراد تک وسیع ہو گیا تھا، متنوع بندشوں سے پہلے اور انگریزی کا حلقہ 8 تا 10 کروڑ تک پھیلا ہوا تھا، پھر بنگلہ اور چینی زبانوں میں نشریات جاری ہوئیں اور وسیع دنیا قرآن و سنت کی تعلیمات سے سیراب ہوتی رہی، اس کی نشریات مختلف سیٹلائٹ پر نشر ہوتی رہیں، کیا اس سے پہلے کسی دینی چینل سے قرآن و سنت کا پیغام

اس سطح پر نشر ہوتا رہا، لیکن ٹی وی نشریات کی کچھ نزاکتیں ہیں جو ریگولیٹری باڈی آف کام کی طرف سے عائد ہوتی ہیں، خصوصاً دینی چینلز پر ان میں کوتاہی کا بھاری جرمانہ کی شکل میں نقصان ہوتا ہے اور کبھی چینل کی ہی بندش آف ایئر کا خطرہ رہتا ہے۔
مخصوص حلقہ میں بیٹھے درس دینے اور ٹی وی پر اظہار خیال کے اداب میں نمایاں فرق ہوتا ہے، پیس ٹی وی اردو اور انگریزی چینلز کو کئی مرتبہ یہ صدمے سہنے پڑے، ایک معزز عالم دین نے توحید وعقائد پر درس دیتے ہوئے سحر اور ساحر کے حوالہ سے اسلامی سزاؤں کا اس انداز میں ذکر کیا کہ ٹی وی کو بھاری جرمانہ اور ناقابل تلافی نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ میں نے خود بذریعہ فون اس آفت سے انہیں متنبہ کیا تھا، الحمد للہ وہ تو بچ گئے لیکن چینل کے خلاف سخت کارروائی ہوئی، بظاہر ایک حدیث کا ترجمہ ہی انہوں نے کیا لیکن الفاظ کا چناؤ آف کام کی ہدایات کے خلاف تھا۔ یورپ کی مسجد کے ایک امام صاحب حقوق زوجین کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے بیوی پر سختی اور ضرب کی اس انداز سے وضاحت کی کہ ان کا ویزا منسوخ کرکے ملک بدر کردیا گیا۔
جو لوگ ابھی مدارس یا جامعات میں زیر تعلیم ہیں یا جن کے مخاطب محلہ کی مسجد کے مخصوص نمازی ہیں ان کی طرف سے کی جانے والی تنقید اور تبصرے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اپنے محدود حلقہ کے باہر کی دنیا خصوصاً ٹی وی اور ریڈیو سروس پر مسلط پابندیوں سے کتنے ناواقف ہیں۔
پیس ٹی وی پروگرامز کی ایک ایڈیٹنگ کمیٹی مقرر تھی جو ریکارڈنگ کے بعد نشر کرنے سے پہلے اس کے مندرجات کا جائزہ لیتی، جو بات اصول اور منہج کے خلاف ہو اسے حذف کردیتی اور یہ کمیٹی مدنی علماء کرام پر مشتمل تھی، ان کے اختیارات کا دائرہ اتنا وسیع تھا کہ خود ڈاکٹر ذاکر نائیک کی ریکارڈنگ کو وہ حسب ضرورت ایڈیٹ کرسکتی تھی، اس جانچ میں اصول شریعت کے علاوہ آف کام کے قواعد بھی پیش نظر رکھے جاتے، لکین پھر بھی اندیشہ رہتا، اس لیے بھی کہ جب آپ توحید خالص کی بات کریں تو خود اپنی ہی صفوں سے ہونے والی شکایات مشکلات کھڑی کرسکتی ہیں، لہٰذا یہ اعتراض کہ کچھ مقررین کے بعض افکار یا منہج پر تحفظات ہیں، یہ اعتراض بھی ان نزاکتوں کو نہ سمجھنے سے ہوتا ہے، ورنہ یہاں تو بسا اوقات غیر مسلموں کو بھی اظہار خیال کا موقع دینا ہوتا ہے، اب یہ منتظمین کی حکمت عملی پر منحصر ہوتا ہے کہ ایسی شخصیات کو ان عنوانات پر اظہار خیال کی دعوت دی جائے جس میں اختلاف کی گنجائش کم ہو تاکہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔
خلاصہ یہ ہے کہ
برادرز کی اہمیت اور دعوتی شعبوں میں ان کی نمایاں کامیابی کا اعتراف ہونا چاہیے کہ انہوں نے اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور ان کی کوششوں سے فائدہ بھی ہوا، ان کی اکثریت نے اپنی جدوجہد کے لیے اس میدان اور زبان کا سہارا لیا، جس سے اکثر علماء کرام دور تھے۔ لیکن ان کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ علم میں پختگی پیدا کریں اور اپنے موضوع اور متعین دائرہ میں رہ کر کام کریں تو مزید بہتر نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے، ہر موضوع پر اظہار خیال کرنا اور ہر سوال کا جواب دینا خصوصاً فقہی مسائل میں مناسب نہیں، یہ بات دونوں ہی علماء اور برادرز کو پیش نظر رکھنی چاہیے، نیز دونوں گروہوں کو ایک دوسرے کا احترام کرتے ہوئے ان کی صلاحیتوں کا اعتراف کرنا چاہیے، ورنہ اگر علماء کا طبقہ برادرز کی تحقیر کرے گا اور برادرز کا گروہ علماء کی تضحیک کرے گا تو ہماری کوششیں شیطانی دراندازی سے ناکام ہوکر رہ جائیں گی اور یہ دوریاں مزید پختہ ہوتی جائیں گی، ایک دوسرے کی نیتوں پر حملہ کرنا، سنی سنائی باتوں پر تبصرے اور جذباتی بیانات سے اجتناب کرنا چاہیے، شخصی کوتاہی یا غلطی کو اسی شخصیت تک محدود رکھنا چاہیے کیونکہ ہر طبقہ میں اہل اللہ صفت محسنین کی کمی نہیں۔

☆☆☆

قرآن اور حدیث کی برکت

جسے نہ قرآن یاد ہے اور نہ اس کے معانی سے آگہی ہے اور نہ وہ حدیث اور اس کے مفہوم کی پہچان رکھتا ہے، وہ پیغمبر ﷺ سے ماخوذ حقائق کا عارف کیوں کر ہوسکتا ہے؟! (شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، الانتصار: ص142)

سنت کا عالم مناظرہ نہ کرے

ہیثم بن جمیل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے استفسار کیا: سنن کے عالم کو ان کے لیے بحث ومناظرہ کرنا چاہیے؟ امام نے فرمایا: نہیں، بلکہ وہ صرف سنن کی خبر دے گا، اس کی بات قبول ہو جائے تو بہتر، ورنہ سکوت اختیار کرے۔ (جامع العلوم والحکم: 262/1)

سب سے پہلے توحید

ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق (قسط 1)

الدکتور صالح بن حمید حفظہ اللہ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا: ”اے مسلمانو! بنی نوع انسان جب اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں تو وہ دین پر عملدرآمد کے سلسلے میں آزاد ہو کر ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں اور شرک کی مختلف شکلوں اور جاہلیت کے کیچڑ میں غرق ہو جاتے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ * مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾ (سورۃ الروم: 31-32)

”اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ، ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ گروہ ہو گئے، ہر گروہ اس چیز پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے۔“

اور فرمایا: ﴿وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ (سورۃ النساء: 116)

”اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے وہ دور کی گمراہی میں چلا جاتا ہے۔“

انسانوں کی عقلیں اس بات سے قاصر ہیں کہ وہ خود بخود درست راستے کا ادراک کر لیں، یا اپنے آپ ہی ہدایت کی راہ پالیں۔ وہ اپنے لئے نفع لانے اور اپنے آپ سے نقصان کو دور کرنے پر قادر نہیں ہیں۔

بد بختی ختم نہیں ہو سکتی، عقلوں سے اضطراب زائل نہیں ہو سکتا اور سینوں سے پریشانی اور گھٹن ختم نہیں ہو سکتی جب تک کہ دلی طور پر یہ بات تسلیم نہ کر لی جائے کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے، وہ اکیلا ہے، بے نیاز ہے، زور آور اور بڑائی والا ہے، تمام بادشاہت کا مالک ہے، تمام امور اسی کے ہاتھ میں ہیں اور ہر قسم کا معاملہ اسی کی طرف لوٹنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (سورۃ البقرۃ: 112)

”سنو! جو بھی اپنے آپ کو خلوص کے ساتھ اللہ کے سامنے جھکا دے، بے شک اس کا رب اسے پورا بدلہ دے گا، اس پر نہ تو کوئی خوف ہو گا، نہ غم اور اداسی۔“

اور فرمایا:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا﴾

”باعتبار دین کے اس سے اچھا کون ہے جو اپنے آپ کو اللہ کے تابع کر دے اور ہو بھی نیکو کار۔ اور ساتھ ہی یکسو ہو کر ابراہیم (علیہ السلام) کے دین کی پیروی بھی کر رہا ہو۔“ (سورۃ النساء: 125)

میرے بھائیو! اپنے آپ کو اللہ کے تابع کرنا اور صرف اسی کی عبادت کرنا ایسا امر ہے جو مومن کے اخلاق اور اس کی سوچ و فکر کو اونچے مقام تک پہنچا دیتا ہے اور اسے دلوں کے ٹیڑھ پن سے، خواہشات کے انحراف سے، جہالت کے اندھیروں سے اور خرافات کے وہموں سے نجات دیتا ہے۔ اسے ان حیلہ کرنے والوں، دجالوں اور برے علماء سے بچا لیتا ہے جو اللہ کی آیات کو بیچ کر تھوڑی سی کمائی کر لیتے ہیں۔ توحید خالص ہی وہ چیز ہے جو انسان کو قید و بند سے آزاد جذبات سے محفوظ کر لیتی ہے۔

میرے بھائیو! اللہ کی توحید اللہ وحدہ لا شریک کیلئے مکمل غلامی کا نام ہے۔ اور اسی کے ذریعے کلمہ طیبہ (لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ) کا معنی صحیح طور پر ثابت ہوتا ہے۔ اس کلمہ کے الفاظ و معانی اور ان کے مطابق عمل کرنا ایسا امر ہے جس پر مسلمان اپنی پوری زندگی قائم کرتا ہے۔ اور اس کی نماز، اس کی قربانی، اس کی زندگی اور موت اسی پر موقوف ہوتی ہے۔

عقیدے میں توحید، عبادت میں توحید، احکامات میں توحید۔ یہ ایسی توحید ہے جس سے دل غیر اللہ کی الوہیت پر یقین رکھنے سے اور اعضاء اللہ کے علاوہ کسی اور کیلئے عبادت کرنے سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اور احکامات اس بات سے پاک ہو جاتے ہیں کہ انھیں اللہ کے علاوہ کسی اور سے حاصل کیا جائے۔

توحید ہی دین کا اول و آخر، ظاہر و باطن اور اس کی کوہان ہے اور اسی پر اس کا مدار ہے۔ توحید پر دلائل قائم ہیں، شواہد پکار پکار کر اس کی گواہی دے رہے ہیں، آیات اس کی وضاحت کر رہی ہیں، براہین اسے ثابت کر رہے ہیں، قبلہ کی بنیاد اسی پر رکھی گئی ہے اور ملت کی اساس یہی توحید ہے۔ اور توحید ہی کے اقرار سے جان و مال اور عزت محفوظ ہو جاتی ہے۔ اور اسی کے ذریعے دار الکفر کو دار الاسلام سے جدا کیا جا سکتا ہے۔ اور توحید کی بناء پر ہی لوگ خوش نصیب اور بد نصیب اور ہدایت یافتہ اور گمراہ میں منقسم ہیں۔

میرے بھائیو! قرآن نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا سب سے زیادہ اہتمام کیا ہے کیونکہ توحید الٰہی ہی سب سے بڑا معاملہ اور انبیاء و رسل علیہم السلام کا پہلا مشن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ

رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾(سورۃ النحل:36)

"اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ (لوگو) صرف اللہ کی عبادت کرو اور غیر اللہ کی پوجا کرنے سے پرہیز کرو۔"

اور فرمایا:

﴿وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رُّسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِن دُونِ الرَّحْمَٰنِ آلِهَةً يُعْبَدُونَ﴾

"اور آپ ہمارے ان رسولوں سے پوچھ لیجئے جنھیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا کہ کیا ہم نے سوائے رحمن کے اور معبود مقرر کئے تھے جن کی عبادت کی جائے؟"(سورۃ الزخرف:45)

قرآن پورے کا پورا توحید کی بات کرتا ہے اور اس کی حقیقت کو بیان کرتا اور اس کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اور وہ یہ واضح کرتا ہے کہ دونوں جہانوں میں نجات اور سعاتمندی توحید پر موقوف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں باعزت مقام توحید والوں کا بدلہ ہے۔ قرآن توحید کی ضد (شرک) سے بھی ڈراتا ہے اور شرک کرنے والوں کے برے انجام اور آخرت میں ان کیلئے ذلت آمیز عذاب کی بات کرتا ہے۔

فرمان الٰہی ہے:﴿وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ﴾ (سورۃ الحج:31)

''اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک بناتا ہے، گویا وہ آسمان سے گرتا ہے، اب یا تو اسے پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا اسے کسی دور دراز جگہ پر پھینک دے گی۔"

اور فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ﴾ (سورۃ النساء:48)

"بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کئے جانے کو معاف نہیں کرتا اور اس کے علاوہ دیگر گناہوں کو جس کے لئے چاہتا ہے، معاف کر دیتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنا اور ہمیشہ اس کی فرمانبرداری کرنا اور اس کی منع کردہ اور حرام کی ہوئی چیزوں سے بچنا یہ سب توحید کے حقوق اور اس کو مکمل کرنے والی چیزوں میں سے ہے۔

قرآن مجید کافروں کو توحید کے ساتھ خطاب کرتا ہے تاکہ وہ اسے پہچانیں اور اس پر ایمان لے آئیں اور اسے اپنے گلے کا ہار بنائیں۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (سورۃ البقرۃ:21)

"اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمھیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔"

نیز فرمایا:

﴿فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ ۖ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ * وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۖ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ﴾ (سورۃ الذاریات:50-51)

"لوگو! تم سب اللہ کی جناب میں پناہ لو، میں بے شک اس کی طرف سے تمہارے لئے صاف صاف ڈرانے والا ہوں اور تم لوگ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بناؤ، میں بے شک اس کی جانب سے تمہارے لئے صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔"

اور ہر نبی نے اپنی قوم کو یہی دعوت دی:

﴿يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ﴾(سورۃ الاعراف:59)

"اے میری قوم! تم اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔"

اور فرمایا:﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾

"اور ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھی بھیجا اس پر یہی وحی نازل کی کہ میرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے، اس لئے تم سب میری ہی عبادت کرو۔"(سورۃ الانبیاء:25)

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو بھی توحید ہی کے ساتھ خطاب فرماتا ہے تاکہ ان کے ایمان میں اضافہ ہو اور توحید پر یقینِ کامل رکھتے ہوئے انھیں اطمینان نصیب ہو اور وہ اس میں کسی قسم کا خلل لانے سے بچے رہیں۔ ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنزَلَ مِن قَبْلُ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ (سورۃ النساء:136)

"اے مؤمنو! اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسول (ﷺ) پر اور اس کتاب پر ایمان لے آؤ جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور اسی طرح ان کتابوں پر بھی جو اس نے اس سے پہلے نازل کی ہیں۔ اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور قیامت کے دن سے کفر کیا وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔"

اور اللہ تعالیٰ نے عباد الرحمن کی ایک صفت یوں ذکر فرمائی ہے:

﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ﴾

"اور وہ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے۔" (سورۃ الفرقان:68)

اور وہ اہلِ ایمان جن سے زمین میں اقتدار دینے کا وعدہ کیا گیا ہے ان کی ایک صفت یوں بیان فرمائی:

﴿يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا﴾

"وہ صرف میری عبادت کریں گے اور کسی چیز کو

میرے ساتھ شریک نہیں بنائیں گے۔" (سورۃ النور: 55)

بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو انبیاء ورسل علیہم السلام کو بھی شرک کو چھوڑنے اور اس سے اعراض کرنے اور شرک کرنے والوں سے اپنی لاتعلقی اور اظہارِ براءت کا حکم دیا ہے:

﴿وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ﴾ (سورۃ الحج:26)

"اور جب ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کیلئے خانہ کعبہ کی جگہ مقرر کر دی (اور ان سے کہا کہ) آپ کسی چیز کو بھی میرا شریک نہ ٹھہرائیے۔ اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کیلئے (شرک وبت پرستی سے) پاک رکھیے۔"

نیز فرمایا: ﴿وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ * أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾

"اور یہی وصیت ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب (علیہ السلام) نے کی کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لئے دین اسلام کو اختیار کر لیا ہے، اس لئے جب تمہاری موت آئے تو اسلام کی حالت میں آئے۔ کیا جب یعقوب (علیہ السلام) کی موت کا وقت قریب تھا تو تم لوگ وہاں موجود تھے؟ جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم لوگ کس کی عبادت کروگے؟ تو انھوں نے کہا: ہم آپ اور آپ کے آباء ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق (علیہم السلام) کے معبود، ایک اللہ کی عبادت کریں گے اور ہم اسی ایک اللہ کے اطاعت گذار ہیں۔" (سورۃ البقرۃ:132-133)

نیز فرمایا:

﴿وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ * بَلِ اللَّهَ فَاعْبُدْ وَكُن مِّنَ الشَّاكِرِينَ﴾ (سورۃ الزمر:65)

"یقینا آپ کی طرف بھی اور آپ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو بلا شبہ آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا اور یقینا آپ خسارہ پانے والوں میں ہو جائیں گے۔ بلکہ آپ صرف اللہ کی عبادت کریں اور شکر کرنے والوں میں شامل ہو جائیں۔"

نیز فرمایا:

﴿ قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ ۚ إِلَيْهِ أَدْعُو وَإِلَيْهِ مَآبِ﴾ (سورۃ الرعد:36)

"آپ کہہ دیجئے کہ مجھے تو بس یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤں۔ میں لوگوں کو اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (سورۃ القصص:87)

"اور آپ اپنے رب کی طرف دعوت دیتے رہیں اور مشرکوں میں سے نہ ہوں۔"

نیز فرمایا: ﴿اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ﴾ (سورۃ الأنعام:106)

" آپ پر آپ کے رب کی جانب سے جو وحی نازل ہوئی ہے اسی کی پیروی کیجئے، اس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ اور مشرکوں کی باتوں پر دھیان نہ دیجئے۔"

اہل علم رحمہم اللہ ان آیات اور ان جیسی دیگر آیات کے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب ان شخصیات کو بھی شرک سے منع کیا ہے کہ جن سے اس کا واقع ہونا ہی ناممکن تھا تو ان کے علاوہ دیگر لوگوں کیلئے یہ نہی کس قدر شدید ہوگی!!

امام الحنفاء حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا تھا:

﴿وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ * رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۖ﴾

"اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے بچا لے۔ میرے رب! ان بتوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔" (سورۃ ابراہیم:35-36)

ابراہیم التیمی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ سے شرک سے بچنے کی دعا کر رہے ہیں تو اور کون ہے جو اس سے بے خوف رہ سکتا ہے؟

یہ تو تھیں قرآن مجید میں شرک کے متعلق چند آیات۔ اور جہاں تک احادیث مبارکہ کا تعلق ہے تو رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی زندگی، اول سے لے کر آخر تک، مکی ہو یا مدنی، سفر کی ہو یا حضر کی، جنگ کی ہو یا امن کی، پوری کی پوری زندگی توحید میں گذری۔ اور ابتدائے وحی میں ہی آپ ﷺ کو (اور آپ کے ذریعے آپ کی امت کو) حکم دیا گیا کہ ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ (سورۃ المدثر:5)

"اور ناپاکی (بتوں کی پوجا) سے کنارہ کش ہو جایئے۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے رشتہ داروں کو بھی شرک سے ڈرانے کا حکم دیا:

﴿ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ * وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾

"پس آپ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو مت پکاریں، ورنہ آپ ان لوگوں میں شامل ہو جائیں گے جنہیں عذاب دیا جائے گا۔ اور آپ اپنے قریبی رشتہ

داروں کو بھی ڈرائیے۔" (سورۃ الشعراء:213-214)
اور جب آپ ﷺ کو کھلے عام دعوت دینے کا حکم دیا گیا تو اس میں بھی یہ بات شامل تھی کہ آپ مشرکوں سے اعراض کیجئے: ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ﴾ (سورۃ الحجر:94)
"پس آپ کو جو حکم دیا جارہا ہے اسے کھول کر بیان کر دیجئے اور مشرکوں سے اعراض کیجئے۔"
پھر جب ہجرت کا حکم نازل ہوا تو اس میں یہ بھی تھا کہ ﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ (سورۃ التوبۃ:40)
"غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"
اس کے بعد جب جہاد اور قتال کا حکم آیا تو اس میں فرمایا:
﴿الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ﴾ (سورۃ الحج:40)
"جو لوگ اپنے گھروں سے ناحق محض اس لئے نکال دیئے گئے کہ انھوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے۔"
بعد ازاں جب فتح مکہ کے موقعہ پر بتوں کو توڑ دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان کرنے کا حکم دیا:
﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾
(سورۃ الإسراء:81)
"اور کہہ دیجئے کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔"
اور جب آپ ﷺ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا:
﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾ (سورۃ النصر:3)
"لہذا آپ اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے، اس کی حمد و ثناء کیجئے اور اس سے مغفرت طلب کیجئے، یقینا وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔"
حتی کہ آپ ﷺ نے اپنی مرض الموت میں بھی شرک سے ڈرایا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وحضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مرض الموت میں مبتلا تھے تو اسی دوران آپ ﷺ نے کئی بار فرمایا:
«لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى، اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»
"یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔" (صحیح بخاری:435)
خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی کا کوئی حصہ ایسا نہیں گذرا کہ جس میں آپ ﷺ نے توحید کا اعلان نہ کیا ہو اور جس میں شرک اور اس کی مختلف شکلوں کے خلاف جنگ نہ کی ہو۔ بلکہ اگر ہم یوں کہیں کہ آپ کی پوری بعثت اسی میں منحصر تھی تو یہ بے جا نہ ہو گا، کیونکہ جب آپ ﷺ اکیلے تھے تو اس وقت بھی آپ توحید الٰہی کو ثابت کرتے رہے اور جب گھاٹی میں محصور تھے تو تب بھی اس سے غافل نہ رہے اور جب آپ ہجرت کر رہے تھے اور دشمن آپ کو تلاش کرتے پھر رہے تھے تو تب بھی آپ نے اس سے اعراض نہ کیا۔ اور جب آپ مدینہ منورہ میں انصار کے ہاں پہنچے اور آپ کا معاملہ غالب تھا تو وہاں بھی آپ نے توحید کی بات نہ چھوڑی۔ اور فتح مکہ کے بعد بھی آپ نے اس کا دروازہ بند نہ کیا۔ اور جب آپ لوگوں سے قتال پر بیعت طلب کرتے تو آپ صرف اسی پر اکتفاء نہ کرتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ توحید پر قائم رہنے اور شرک کو پرے پھینکنے پر بھی بیعت کرنے کا مطالبہ فرماتے۔۔۔ سو یہ ہے آپ ﷺ کی سیرت طیبہ اور یہ ہیں آپ ﷺ کی احادیث صحیحہ اور ان سب کے پیچھے قرآن مجید کی واضح تعلیمات تھیں جن پر آپ ﷺ نے عمل کیا۔
اس بناء پر یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ توحید ہی نقطۂ آغاز ہے اور ہر زمانے میں اور ہر جگہ پر توحید ہی سب سے پہلے ہے۔
جہاں تک اسلام کے پانچ بڑے ارکان کا تعلق ہے تو وہ مشروع ہی اسی لئے کیے گئے ہیں کہ ان کے ذریعے توحید کا اعلان ہو، توحید کو ثابت کیا جائے اور عملی طور پر اس کی یاددہانی کرائی جائے۔ چنانچہ پہلا رکن کلمۂ طیبہ ہے اور اس کا پہلا جزو (لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ) تعددِ معبودان کی نفی اور ایک ہی معبود کو ثابت کر رہا ہے اور اس کا دوسرا جزو حضرت محمد ﷺ کی رسالت کو ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ صرف آپ کی اتباع اور شریعت کا اثبات کر رہا ہے۔
اسلام کا دوسرا رکن نماز ہے جس کا آغاز ہی اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ کے مقابلہ میں ہر چیز چھوٹی ہے اور اللہ ہی سب سے بڑا ہے۔ پھر اس کے بعد نماز کے دیگر اذکار اور اس میں قرآن مجید کی تلاوت، خاص طور پر ہر رکعت میں ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ کو بار بار پڑھنا توحید ہی کا اقرار ہے۔
تیسرا رکن زکاۃ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کی عبادات میں نماز کے ساتھ ساتھ کیا جاتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے، دل کی خوشی کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے۔ اور اس میں اللہ رب العزت کی عبادت کا اعتراف اور دینار و درہم کی عبادت کا انکار ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ * الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ﴾ (سورۃ فصلت:6-7)
"اور بربادی ہے ان مشرکوں کیلئے جو زکاۃ ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔"
چوتھا رکن روزے ہیں جن میں روزہ دار انسان محض اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اپنا کھانا پینا اور اپنی شہوت تک کو چھوڑ دیتا ہے۔
پانچواں رکن حج ہے جس میں پوری امت کا شعار ہی تلبیۂ توحید ہوتا ہے اور تمام حجاج بیک آواز ہو کر ہر گھاٹی اور ہر وادی میں توحید کا اعلان اور شرک کی نفی

کرتے ہیں۔ امام ابو اسحاق الشاطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"ہمیں یقین ہے کہ شہادتین کا اقرار اور نماز اور اس کے علاوہ دیگر تمام عبادات اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے، اس کی طرف رجوع کرنے، محض اسی کی تعظیم اور بزرگی کو بیان کرنے اور اطاعت و فرمان برداری میں اعضاء کے ساتھ دل کی مطابقت پیدا کرنے کی غرض سے مشروع کی گئی ہیں۔"

اور حضرت محمد ﷺ اپنے روزانہ کے ورد میں جسے ہر مسلمان کو اپنا یومیہ ورد بنانا چاہئے 'ایک دعا یہ پڑھتے تھے: «أَصْبَحْنَا عَلٰى فِطْرَةِ الْإِسْلَامِ وَكَلِمَةِ الْإِخْلَاصِ، وَدِيْنِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ، وَمِلَّةِ أَبِيْنَا إِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَاكَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ»

"ہم نے فطرت اسلام، کلمۂ اخلاص اور اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کے دین اور اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر صبح کی۔ وہ (ابراہیم علیہ السلام) شرک سے اعراض کرنے والے تھے، مسلمان تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔" (مسند احمد)

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَلشِّرْكُ فِيْكُمْ أَخْفَى مِنْ دَبِيْبِ النَّمْلِ، وَ سَأَدُلُّكَ عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتَهُ أَذْهَبَ عَنْكَ صِغَارُ الشركِ وَكِبَارُه، تَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِكَ أَنْ أُشرِكَ بِكَ وَأَنَا أَعْلَمُ، وَأَسْتَغْفِرُكَ لِـمَا لَا أَعْلَمُ»

"تم میں شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہو گا اور میں تمہیں ایک ایسی دعا بتاتا ہوں کہ اگر تم اسے پڑھتے رہے تو اللہ تعالیٰ تم سے چھوٹے بڑے شرک کو دور کر دے گا۔ تم یہ دعا پڑھنا:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ أَنْ أُشْرِكَ بِكَ وَأَنَا أَعْلَمُ، وَأَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لاَ أَعْلَمُ»

"اے اللہ! میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں جانتے ہوئے تیرے ساتھ شرک کروں اور جو کام میں لاعلمی میں کر لوں اس پر تجھ سے معافی کا طلبگار ہوں۔" (مسند احمد؛ صحیح جامع از البانی: 3731)

اللہ کے بندو! یہ تمام دلائل و براہین اس موضوع کی اہمیت، عقیدۂ توحید کی عظمت اور لوگوں پر منڈلاتے ہوئے شرک کے بہت بڑے خطرے کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ یہ خطرہ کیوں نہ ہو جبکہ شیطان بنو آدم کو گمراہ کرنے پر تلا ہوا ہے۔

☆☆☆

امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لا يجوز لأحد أن يذكر شيئا من مساويهم ولا يطعن على أحد منهم بعيب ولا نقص فمن فعل ذلك فقد وجب على السلطان تأديبه وعقوبته ليس له أن يعفو عنه بل يعاقبه ويستتيبه فان تاب قبل منه وإن ثبت أعاد عليه العقوبة وخلده الحبس حتى يموت أو يراجع

"کسی کے لیے یہ روا نہیں کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے معایب کا تذکرہ کرے یا کسی نقص و عیب سے متہم کر کے ان پر زبان طعن دراز کرے۔ جو اس حرکت کا مرتکب ہو، مجاز اتھارٹی پر لازم ہے کہ اس کی تادیب کرے اور اسے سزا دے۔ حاکم کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اس مجرم سے درگزر کرے بل کہ اس کا احتساب کرنا چاہیے اور اس سے توبہ کرانی چاہیے؛ اگر وہ تائب ہو جائے تو اسے قبول کر لیا جائے۔ لیکن اگر وہ اسی پر اڑا رہے تو اسے دوبارہ سزا دی جائے اور مسلسل قید میں رکھا جائے، یہاں تک کہ وہ موت کے گھاٹ اتر جائے یا پھر وہ اپنی عادت بد سے رجوع کر لے۔"

(الصارم المسلول)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّ الفَقِيْهَ كُلَّ الفِقيْهِ الَّذِي لَا يُقَنِّطُ النَّاسَ مِنْ رَحْمَةِ اللهِ، وَلَا يُؤَمِّنُهُم مِنْ عَذَابِ اللهِ، وَلَا يُرَخِّصُ لَهُم فِي مَعَاصِي اللهِ، وَلَا يَدَعُ القُرْآنَ رَغْبَةً عَنْهُ إِلَى غَيْرِهِ، وَلَا خَيْرَ فِي عِبَادَةٍ لَا عِلْمَ فِيْهَا، وَلَا خَيْرَ فِي عِلْمٍ لَا فَهْمَ فِيْهِ، وَلَا خَيْرَ فِي قِرَاءَةٍ لَا تَدَبُّرَ فِيْهَا

"کامل فقیہ وہ ہے جو لوگوں کو رحمت الٰہی سے مایوس کرے، نہ انھیں عذاب خداوندی سے بے خوف کرے اور نہ اللہ عزوجل کی نافرمانیوں کے لیے انھیں رخصتیں فراہم کرے۔ وہ دیگر مشاغل کی بنا پر قرآن سے بے رغبتی کرتا ہے، نہ اسے ترک کرتا ہے۔ یاد رکھو! ایسی عبادت میں کوئی خیر نہیں جس کی بنیاد علم پر نہ ہو؛ ایسے علم میں کوئی خیر نہیں جس میں فہم نہیں اور ایسی قرأت خیر سے خالی ہے جس میں تدبر نہیں۔"

☆☆☆

دل ایمان سے بھر دینے والی 3 چیزیں

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "جس شخص میں 3 اوصاف پائے جائیں، اللہ عزوجل اس کا دل ایمان سے بھر دیتے ہیں: (1) فقیہ کی صحبت (2) قرآن کی تلاوت (3) اور روزہ رکھنا۔" (بہجۃ المجالس: ص199)

الحمد للہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ

انسان کی زندگی میں ایسے دن بھی آتے ہیں، جب باوجود چاہنے کے وہ مطلوبہ کام کرسکنے پر قادر نہیں ہوتا، مثلاً کاروبار میں کامیابی، بچوں کے رشتے کا معاملہ یا بیماری میں جلد صحت یاب ہونے کی تمنا وغیرہ۔ یہی مواقع ہیں کہ جب بندے کو اپنی بے بسی کا اقرار ہوتا ہے مگر وہ اللہ وحدہ لاشریک کی قدرت کاملہ کا پھر بھی اقراری نہیں ہوتا، ماسوائے چند افراد کے جن پر اللہ کی خاص رحمت ہوتی ہے۔ عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ جب کوئی رشتے میں رکاوٹ پڑنے کی وجوہات کا ادراک نہیں کرپاتا تو اسے جادو کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ کسی دوسرے کو ملوث کر کے سارا کوڑا اس پر ڈال دیتا ہے۔

ہم نہیں کہتے کہ جادو نام کی کوئی چیز نہیں یا وہ بے اثر شئے ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ناکامی کو جادو کی طرف منسوب کر دینا اپنی کمی کوتاہی پر پردہ ڈالنے کے مترادف ہے۔ کیا جادو خدائی طاقت سے بڑھ کر کوئی چیز ہے جو اللہ کی تقدیر پر غالب آجاتی ہے؟ حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ تو پھر جادو پر اتنا اعتماد اور خدا کی تقدیر پر بے یقینی کے کیا معنیٰ؟ یہ تو کمزور ایمان کی علامت ہے۔ ایمان کی اسی کمزوری کے سبب شیطان انسانی معاملات میں دخل اندازی کی جرأت کرتا ہے۔ اپنی ناکامی کو دوسروں کے سر تھوپنے پر اکبر الہ آبادی مرحوم کا یہ شعر یاد آجاتا ہے:

ہنسی آتی ہے مجھے حضرتِ انسان پر
فعلِ بد تو خود کرے لاحول پڑھے شیطان پر

عورت کا مقام

اسلام سے قبل جاہلیت کے دور میں کئی لوگ بیٹیوں کو اس لیے زندہ دفن کر کے ان سے خلاصی پالیتے تھے کہ ”نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔“

یعنی بیٹی نہ ہو گی تو اس کے لیے اچھے رشتے کی تلاش بھی نہ کرنی پڑے گی یا شادی کے بعد والے موہوم پریشان کن حالات میں الجھنا نہیں پڑے گا۔ اسلام نے آکر اس نظریے کو یکسر بدل دیا اور صنف نازک پر اس قدر احسان کیا کہ اگر وہ ساری زندگی خدا کا شکر ادا کرتی رہے تو بھی ناکافی ہے۔ اپنی حقیقی بیٹی تو کیا ایک غلام لونڈی کے بارے میں نبی پاک ﷺ کی نصیحت ملاحظہ ہو۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس کے پاس غلام لڑکی یعنی لونڈی ہو اور وہ اس کی اچھی تعلیم و تربیت کرے، پھر آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے تو اس کو دہرا ثواب ملے گا۔“ (صحیح بخاری:2544)

ذرا سوچیے کہ اگر ایک ملازمہ کی اچھی تعلیم و تربیت کرنے کی تلقین ہے تو کیا اپنی بیٹی کو اس سے محروم رکھا جا سکتا ہے۔ بہت سارے لوگ اپنا یہ فرض ادا کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ مگر ہائے افسوس! آج کا ماڈرن مسلمان دھوکا کھا گیا۔ وہ اچھی تعلیم قرآن و سنت کی تعلیم کو سمجھنے کی بجائے دنیاوی تعلیم کو سمجھ بیٹھا اور بذاتِ خود تربیت کرنے کی بجائے بچوں کو ٹیلی ویژن کی تربیت کے سپرد کر دیا جس کا خفیہ منہج ہی خدائی تعلیمات سے انحراف اور نئی نسل میں بگاڑ پیدا کرنا ہے۔ اب اس قسم کے ماحول میں جو بچیاں جوان ہوں گی تو انہیں قبول کرنے والے بھی تو اس قسم کے ماحول میں پروردہ ہوں گے۔ پھر ان سے بے اعتنائی برتتے ہوئے اپنی بچی کے لیے نیک اور فرشتہ صفت لڑکے کی تلاش کیوں؟ جن نوجوانوں کو اللہ نے دین کی سمجھ عطا فرمائی ہے وہ تو اس حدیث نبوی کو سامنے رکھ کر دینداری کو ترجیح دیتے ہیں:

”عورت سے چار وجوہات کی بنا پر شادی کی جاتی ہے: اس کے حسب و نسب، مال، خوبصورتی یا دینداری کی وجہ سے۔ تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں، اگر تو خوش رہنا چاہتا ہے تو دینداری کو ترجیح دینا۔“ (صحیح بخاری: 5090)

اس حدیث کے پیش نظر بہت سارے نوجوانوں کی شادی دین دار لڑکی کی تلاش میں مؤخر ہوتی جاتی ہے۔ اس تاخیر سے بچنے کے لیے ایسے نوجوانوں کو میرا مشورہ یہ ہوتا ہے کہ اگر تم چاہو کہ اس دنیا میں سو فیصد تمہاری پسند کی لڑکی مل جائے تو یہ ناممکن ہے۔ ایسی بیوی کی امید جنت میں رکھو۔ اگر کسی خاتون میں 51 فیصد اچھی صفات تمہاری پسند کی مل جائیں تو غنیمت جان کر شادی کر لو۔ تاخیر مت کرو۔ اب یہی مشورہ لڑکی کے والدین کے لیے ہے۔ آپ کو فرشتہ صفت لڑکا ملنا آسان نہیں۔ اگر کسی میں خامیوں کی نسبت خوبیاں زیادہ ہوں تو دیر نہ کیجیے۔

ہر سمجھدار انسان کو معاملے کے روشن اور تاریک دونوں پہلوؤں پر غور کرنا چاہیے۔ مگر جس طرح ہماری زندگی کے دوسرے پہلو بے اعتدالی کا شکار ہیں، رشتے کے چناؤ میں بھی ہمارا یہی حال ہے۔ کئی لوگ صرف روشن پہلو کو سامنے رکھ کر ٹھوکر کھا جاتے ہیں

اور کئی صرف تاریک پہلو پر نظر پڑتے ہی رشتے کا موقع گنوا بیٹھتے ہیں۔ بعض لوگ چھوٹی خامیوں کی وجہ سے بڑی خوبیوں کو بھول جاتے ہیں اور آئے ہوئے رشتے کو نظر انداز کر دیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک دفعہ کا 'کھنج' (رہ) جانا انسان کو کتنے سال اور لیٹ کر دیتا ہے۔

یاد رہے کہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مواقع پیدا کرنے ہوتے ہیں۔ اب اگر کوئی ان سے فائدہ نہ اٹھائے تو قصور اس کا اپنا ہے۔

جادو کا حکم

جادو سے متعلق اسلامی حکم بالکل واضح ہے کہ یہ کفر اور شیطانی عمل ہے اور جس نے کسی جادوگر کی بات پر یقین کیا تو وہ محمد ﷺ پر اترنے والی ہدایت کا منکر ہوا۔ جادوگر سے نیچے قیافہ باز، دست شناس اور سنیاسی وغیرہ ہوتے ہیں جنہیں عربی میں عرّاف کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو اس کے پاس جائے، اس کی چالیس روز تک نماز قبول نہیں ہوتی۔“ (صحیح مسلم: 2330)

اب صرف وہی مسلمان اپنی نمازیں برباد کرے گا جس کی قسمت میں بربادی لکھی ہے۔ یہ حال تو ہوا عراف کے پاس جانے والوں کا۔ اب آپ خود اندازہ لگا لیجیے کہ ان کا کیا حال ہو گا جو جادو کرتے اور کراتے ہیں۔ ان کی نمازیں اور ایمان کس کھاتے میں آئیں گے۔ اسی لیے قرآن وحدیث میں جادوگر کے لیے کافر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

جادو کا اثر

یہ بھی واضح رہے کہ جادو بھی اثر تب کرتا ہے جب اللہ کی طرف سے اذن (اجازت) ہو۔ اگر اللہ نہ چاہے تو جادو آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ (سورۃ البقرۃ: 102)

احادیث میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر ایک یہودی نے جادو کر دیا تھا۔ تو وہ بھی اللہ کے اذن سے ہی آپ پر اثر انداز ہوا تھا۔ امت کو یہ بتانے کے لیے کہ نبی بھی ایک انسان ہوتا ہے نہ کہ مافوق البشر کوئی چیز یا نور۔ جیسے تم ضرر رساں اشیاء سے متاثر ہوتے ہو وہ بھی اسی طرح ہوتا ہے، ورنہ نور پر تو جادو ہرگز اثر نہیں کر سکتا۔ پھر الہ کی راہنمائی میں جس طرح آپ ﷺ نے جادو سے چھٹکارا پایا ہمیں بھی آپ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر معوذتین (سورۂ فلق، اور ناس) کی برکت سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے نہ کہ جادو کرنے کرانے والوں کے ہتھے چڑھ کر دین ودنیا تباہ کروا لینی چاہیے۔ اس موضوع پر دار السلام کی مطبوعہ کتب ”جادو ٹونے کا علاج“ اور ”جادو کی حقیقت“ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

عامل لوگوں کی موج

رشتہ ملنے میں تاخیر یا ملا ہوا رشتہ ٹوٹ جانے کا الزام اسی پر لگایا جاتا ہے جس سے دشمنی ہو۔ ہمارے ہاں کھینچا تانی، لڑائی جھگڑا اور دشمنیاں تو پہلے ہی ساس بہو، نند بھاوج اور دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ بہت ہوتی ہیں، لہٰذا یہ الزام کسی ایک پر دھر دیا جاتا ہے۔ ہر معاشرے میں پھیلے ہوئے جعلی پیروں فقیروں کے ایجنٹ اس سے فائدہ اٹھا کر لوگوں کا رخ ان کی طرف موڑ دیتے ہیں جس سے ان کی موج ہو جاتی ہے۔

عاملوں کا طریقہ واردات

یہ حقیقت ہے کہ جیسے ہر چیز میں تنزل آ چکا ہے، اسی طرح نام نہاد عاملوں کے فن میں بھی تنزل آ چکا ہوا ہے۔ اب تو آپ کو دھوکہ بازار میں جعلی عامل کثرت سے ملیں گے جو دھوکا فراڈ کی بنیاد پر ہزاروں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں اور لوگ اپنے کمزور ایمان کی وجہ سے لٹتے جا رہے ہیں۔ آپ کے سامنے مارکیٹ میں موجود عاملوں کے صرف ایک طریقۂ واردات کو پیش کیا جاتا ہے کہ سمجھنے والوں کے لیے ان شاء اللہ اتنا ہی کافی ہو گا۔

عاملوں نے اپنے بزنس کو ترقی دینے کے لیے معاشرے میں بعض مرد وخواتین کو بطور ایجنٹ چھوڑ رکھا ہوتا ہے۔ جب کوئی پریشان حال خاتون کسی ایجنٹ کے مشورے سے عامل کے پاس حاضری دیتی ہے تو اس سے ہر اس خاتون کے بارے میں تفصیلات حاصل کی جاتی ہیں، جس سے ان کی اَن بَن یا دشمنی ہوتی ہے۔ چاہے وہ رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار۔ اسی طرح ساس، بہو، نند بھاوج اور ان کے دور نزدیک کے سب رشتہ داروں کی تفصیلات سے عامل کو آگاہ کرنا اسی طرح ضروری ہوتا ہے جس طرح علاج کے وقت معالج کو بیماری کے بارے میں سب کچھ بتانا ضروری ہوتا ہے۔ اس طریقے سے عاملین کے پاس بہت سارے خاندانوں کے مختلف افراد سے متعلق اچھی خاصی معلومات جمع ہو جاتی ہیں۔ اب اس خاتون کو مطلوبہ فیس کی وصولی کے بعد ایک تعویذ دیا جاتا ہے جسے ایک خاص مقام پر دفن کرنا ہوتا ہے۔ کبھی وہ کسی کے گھر کی دہلیز ہوتی ہے، کبھی کسی کے مکان کی دیوار، کبھی کسی درخت کی شاخ یا اس درخت کے نیچے کی زمین یا کوئی اور مخصوص جگہ بتائی جاتی ہے۔ پھر دو فائدوں کے پیش نظر اس عمل کو طول دیا جاتا ہے۔ پہلا یہ کہ اس خاتون سے کمائی کا سلسلہ تادیر جاری رہے اور دوسرا یہ کہ اس عرصے میں خاتون کا کام شاید خودبخود سیدھا ہو جائے۔ مگر جونہی آمدن میں کمی یا خاتون کے اعتماد میں تزلزل کے آثار نظر آتے ہیں تو پھر کیا ہوتا ہے وہ بھی دیکھ لیجیے۔

تصور کا دوسرا رخ

اس خاتون نے جن دوسری عورتوں پر جادو کرنے کے شک کا اظہار کیا ہوتا ہے اب انہیں اپنی ہٹی پر لانے کے لیے عامل اپنے ایجنٹوں کی ڈیوٹی لگا دیتا ہے۔ ایسی کوئی خاتون جب عامل کے پاس آ کر اپنا دکھڑا سناتی ہے

تو عامل اپنی پہلی خاتون سے حاصل کردہ معلومات کی بنیاد پر اس نئی خاتون کے سامنے کچھ انکشافات کرتا ہے جس کی صداقت پر وہ ششدر ہو کر رہ جاتی ہے کہ ان بزرگوں کو ایسی باتوں کا کیسے پتہ چلا۔ ہو نہ ہو ان کے قبضے میں ضرور کوئی جن ہے۔ اس طرح بے چاری عامل کے جھانسے میں آ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ عامل پر اس کا یقین اس وقت اور پختہ ہو جاتا ہے جب وہ جادو توڑنے کا دعویٰ کرتے ہوئے اسے پہلی خاتون کے ذریعے دفنائے ہوئے تعویذ کا محلِ وقوع بتاتا ہے۔ جسے نکال کر لانے کی وہ اسے ہدایت دیتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ "بزرگوں کی اتنی بڑی کرامت دیکھ کون ان کی ولایت پر شک کرے گا۔" اس طرح یہ خاتون ان کی پکی پکی مریدنی بن جاتی ہے اور دوسری خواتین سے اپنے مشاہدات بیان کر کے بزرگوں کی خوب پبلسٹی کرتی ہے۔ چنانچہ باباجی کا حلقۂ اثر اس فراڈ کی بنیاد پر وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے اور بڑے بااثر ومالدار لوگ بمع اونچے درجے کے سیاستدانوں کے پھنستے چلے جاتے ہیں۔ آپ ہزار سمجھائیں مگر جن کی خدا نے مت مار دی ہو وہ کیا سمجھیں گے۔ دولت بھی لٹاتے ہیں اور ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

رشتے میں تاخیر کے اسباب

نام نہاد جادو کی اصلیت کے بارے میں کچھ معلومات تو آپ نے حاصل کر لیں مگر ابھی ان امور کا کھوج لگانا باقی ہے جو رشتے میں تاخیر کے حقیقی اسباب ہیں اور جن کے ذمہ دار ہم خود ہوتے ہیں نہ کہ کوئی جادو کرنے کرانے والا۔ ان اسباب کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں اپنی اور اپنے جاننے والوں کی بھی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔ وگرنہ صرف مضمون پڑھ کر ماسوائے ذہنی لطف اندوزی کے معاملہ آگے نہ بڑھے گا۔ ذیل میں چند اہم اسباب کا ذکر کیا جاتا ہے:

خاندان سے باہر رشتہ

عموماً دیکھنے میں آیا کہ کسی فیملی کو اللہ تعالیٰ جب ترقی عطا فرماتا ہے تو وہ احساس برتری کا شکار ہو کر دوسرے رشتہ داروں کو اپنے سے کم تر سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اپنے خاندان میں بہترین رشتہ بھی ان کی آنکھوں کو حقیر نظر آنے لگتا ہے۔ نتیجتاً رشتے کی تلاش میں انہیں کافی عرصہ باہر کی خاک چھاننی پڑتی ہے جس سے لڑکی کی شادی میں تاخیر ہوتی جاتی ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ مزید تاخیر سے بچنے کے لیے مجبوراً خاندان سے باہر اپنے عزیزوں سے کم تر رشتہ بھی ان کو گوارا کرنا پڑتا ہے۔ کیسا درست مقولہ ہے یہ "گھر کی مرغی دال برابر۔" اس طرح لوگوں کی کثیر تعداد اپنوں سے کٹتی چلی جاتی ہے جبکہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ صلہ رحمی کرو اور رشتے داروں سے تعلقات جوڑ کر رکھو۔ اپنے آپ کو دوسروں سے برتر سمجھنا شیطانی سوچ اور کھلا تکبر ہے جو اللہ کو ہرگز پسند نہیں۔ اسی تکبرانہ سوچ نے شیطان کا بیڑا غرق کیا تھا۔

رشتہ داروں میں ناچاقی

عموماً نند بھاوج اور بھائی بہنوں کی ناچاقی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کے رشتے آپس میں نہ کرنے کا فیصلہ کر لیتے ہیں۔ کئی دفعہ اولاد آپس میں رشتہ کرنے کے حق میں ہوتی ہے مگر والدین کے تلخ تعلقات کی بنا پر ان کا بس نہیں چلتا۔ پھر تلاشِ بسیار کے بعد باہر سے رشتہ لا کر تھوڑے ہی عرصے میں نئے رشتے کا مزہ چکھ لیتے ہیں۔ بسا اوقات دوسروں کے سامنے اپنی خفت مٹانے کے لیے بہو کی جھوٹی تعریف بھی کرتے ہیں۔ پھر اپنے بڑھاپے میں جب مکمل طور پر بہو کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں تو ماضی کی غلطیوں کا احساس انہیں ستانے لگ جاتا ہے۔ مگر "اب کیا پچھتائے ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔"

اپنی بڑی غلطی جس کا احساس اکثر لوگوں کو نہیں ہوتا وہ یہ ہے کہ باہر کی بہو کو ہمیشہ بہر کا ہی سمجھتے رہتے ہیں اور اسے اپنا بنانے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس کے برعکس اگر اسے اپنے ہی گھر کا فرد تسلیم کریں کریں تو بہت سارے مسئلے حل ہو جائیں۔ اپنے عزیزوں میں رشتہ نہ بھی کریں کریں صرف اچھے تعلقات ہی قائم رکھیں اس کا دہرا فائدہ ہے۔ ایک تو صلہ رحمی کا اجر و ثواب ملتا ہے دوسرا ہمارے نبی مکرم ﷺ کے بقول "صلہ رحمی کرنے والے کے رزق اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔" (صحیح بخاری: 2985)

بتائیے کون احمق ہے جو ان دونوں چیزوں کا طلبگار نہ ہو گا۔ اگر آپس میں رشتہ داری بھی قائم کریں تو بہت سی خارجی پریشانیوں سے بھی بچا جا سکتا ہے۔

اونچی چھلانگ

رشتہ قائم کرنے والے والے دونوں گھرانوں کی مالی حیثیت اگر برابر ہو تو شادی کے بعد جوڑے میں موافقت آسان ہو جاتی ہے۔ مگر کئی لوگ اپنی حیثیت سے بڑھ کر رشتے کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اچھے رشتے کی خواہش تو ایک فطری بات ہے۔ مگر جب اس میں میں طمع و لالچ کی ملاوٹ شامل ہو جائے تو ازدواجی زندگی میں میں سکون و راحت کی بجائے دکھ و پریشانی غالب آ جاتی ہے۔ خصوصاً جب بیٹے کے لئے اپنے سے بڑھ کر گھرانے کی تلاش ہو۔ البتہ بیٹی کے حیثیت سے بڑھ کر گھرانے کی تلاش میں کوئی حرج نہیں۔ بنگلہ دیش میں اسی نسبت سے ایک ضرب المثل مشہور ہے کہ "خوشحال زندگی کا راز یہ ہے کہ لڑکی اس گھر سے لا جو تجھ سے غریب ہوں اور اپنی لڑکی اس گھر میں بھیج جو تجھ سے امیر ہوں۔"

ہر سمجھدار شخص اس ضرب المثل کی صداقت کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ ہاں اگر معاملہ اس کے برعکس ہو

یعنی امیر گھرانے سے سے بھولے آئے تو ہو سکتا ہے وہ آپ کو ناک چنے چبوائے۔ الا ماشاء اللہ۔ یا کسی غریب گھرانے میں بیاہ دی تو ہو سکتا ہے کہ تنگدستی کے عالم میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ الا ماشاء اللہ

اچھے رشتے کا انتظار

اچھے رشتے کے انتظار میں میں بعض بیٹیوں کے بال سفید کر دیے جاتے ہیں کیونکہ اچھے رشتے کا معیار ہر ایک کا اپنا اپنا ہوتا ہے۔ جب شریعت کے معیار کو قبول نہ کریں گے تو اپنے حال پر چھوڑ دیے جائیں گے۔ پھر خاندان سے مدد کی امید کس منہ سے رکھتے ہیں؟ یہ تو یک طرفہ ٹریفک ہوئی کہ آپ خدا کی نہ مانیں اور خدا آپ کی ہر بات مانتا جائے۔ اکثر معاملات میں ہمارا یہی حال ہے۔ انصاف کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ خدا کے ساتھ بے انصافی کر کے پھر اسی سے انصاف کی امید۔ آپ کے بے انصافی کے جواب میں خدا تو بے انصافی نہیں کرتا۔ البتہ مکافات عمل کا قانون یعنی "جیسا کرو گے ویسا بھرو گے"، تو معطل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا زندگی کے ہر معاملے میں انصاف پیدا کرو، پھر دیکھنا خدا اپنا یہ وعدہ پورا کرتا ہے کہ نہیں:

﴿ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ﴾

"جو شخص اللہ سے ڈرے تو وہ اس کے لئے اس کے کام میں آسانی فرماتا ہے۔" (سورۃ الطلاق:4)

اپنی برادری کے رشتے کا انتظار

یہ بھی شادی میں تاخیر کا ایک بڑا سبب ہے۔ سب انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ قوموں اور برادریوں میں تقسیم کی غرض اللہ پاک نے شناخت و پہچان بتائی ہے۔ رشتے کے معاملے میں ایک برادری کے فوائد سے انکار نہیں کیا جا سکتا، تاہم اس کی وجہ سے شادی میں بے جا تاخیر کرنا مستحسن فیصلہ نہیں۔ آپ کو تعجب ہو گا ہو گا کہ امریکہ میں میں اب مسلم بچوں کی شادیاں برادری اور قومیت کیا بلکہ غیر ہم وطن مسلمانوں سے ہو رہی ہیں۔ کیونکہ بچوں کی زبان مشترک یعنی انگلش ہوتی ہے تو زیادہ مشکل پیش نہیں آتی عموماً ایسی شادیاں والدین کو اپنا ہم وطن مناسب رشتہ نہ مل سکنے کے بعد ہوتی ہیں۔ نیز ان میں بچوں کی اپنی پسند کا بھی دخل ہوتا ہے۔ کم از کم ایسی شادیاں عیسائی لڑکیوں کے ساتھ شادی کرنے سے تو بدرجہا بہتر ہیں۔ جس کے نتیجے میں باپ کی غفلت سے بچے آدھے مسلمان اور آدھے عیسائی بن جاتے ہیں۔ پھر بڑے ہو کر ان کو ماں کا مادر پدر آزاد مذہب زیادہ اپیل کرتا ہے۔ اس کے منہ پر طمانچہ بن جاتے ہیں۔ ایسا باپ قیامت کے روز خدا کو کیا منہ دکھائے گا کہ مسلمان کے نطفے سے ایک کافر نے جنم لیا۔ إنا لله وإنا إليه راجعون

بچی کی اعلیٰ تعلیم

کئی ناسمجھ والدین بچی کی اعلیٰ تعلیم کی خاطر اچھے رشتے سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ جب بیٹی کئی سال بعد اعلیٰ تعلیم مکمل کر لیتی ہے تو پھر خواہش ہوتی ہے کہ تعلیمی لحاظ سے رشتہ اس کے برابر کا ہو۔ خوش قسمت ہیں وہ جن کو فوراً رشتہ مل جائے ورنہ ایسے رشتے کے انتظار میں تعلیم کے بعد مزید کئی سال بیت جاتے ہیں۔ کئی بچیوں کو آپ نے اسی انتظار میں جوانی ڈھلتے ہوئے بھی دیکھا ہو گا۔ بلکہ بعض تو کنواری پن میں ہی پوری زندگی گزار دیتی ہیں۔ بندہ ایسے ماں باپ سے پوچھے کہ بچی کو اس قدر اعلیٰ علیم دلانے کا تمہیں کیا فائدہ جبکہ اسے دوسرے گھر ہی سدھار جانا ہے۔ اگر فائدہ اٹھائیں گے تو وہ اٹھائیں گے جنہیں مفت کی کمائی کی فیکٹری ہاتھ آ گئی۔ اعلیٰ تعلیم کے خلاف ہم بھی نہیں مگر جس تعلیم کی خاطر اچھے رشتے سے ہاتھ دھونا پڑیں تو یہ کوئی سمجھداری والا سودا نہیں۔ دنیاوی تعلیم اور دولت سے اگر سکون میسر آتا تو امریکہ کے لوگ سب سے زیادہ سکون اور راحت میں ہوتے مگر ہمیں تو اس کے شواہد یہاں نظر نہیں آتے۔

دوسروں کے پوچھنے کا انتظار

ہمارے معاشرے میں اپنی بہن یا بیٹی کے رشتے کے لئے خود لڑکے یا لڑکے والوں سے ڈائریکٹ پوچھنے کو عار سمجھا جاتا ہے۔ اور اسی انتظار میں وقت گزرتا جاتا ہے کہ لڑکے والے ہم سے پوچھیں۔ جس کے نتیجے میں تاخیر ہو جاتی ہے، حالانکہ شریعت نے ہم پر ایسی کوئی پابندی نہیں لگائی بلکہ اس کے برعکس ہمیں مثالیں ملتی ہیں۔ سورۃ القصص میں مذکور ہے کہ نبی شعیب علیہ السلام نے نوجوان موسیٰ کے سامنے از خود اپنی بیٹی کا رشتہ تجویز کیا تھا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا جب بیوہ ہو گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے از خود اس کا رشتہ پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اور پھر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پیش کیا تھا جو بعد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آ کر ام المومنین بن گئیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ بیٹی کے رشتے کے لئے خود بات نہ کرنا ماسوائے معاشرتی حجاب کے اور کچھ نہیں۔

بہن کی شادی پہلے

اکثر گھر والوں میں بیٹی کی شادی کو بیٹے پر ترجیح دی جاتی ہے چاہے بیٹا عمر میں بڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اگر والد کا سایہ سر سے اٹھ جائے تو پھر بھائی کے لیے ایک طرح کا ناممکن ہو جاتا ہے کہ رشتہ ملنے کے باوجود پہلے وہ شادی کر لے۔ یہ ترجیح رواجی اعتبار سے قابل فہم ہے اگرچہ شریعت کی طرف سے ایسی ترجیح کا کوئی حکم نہیں۔ وہاں تو حکم ہے جو بھی بالغ ہو جائے، استطاعت رکھتا ہو تو شادی کر کے اپنا نصف ایمان محفوظ کر لے۔ مگر جب کھلے طور پر پر دیکھا جا رہا ہوں کہ بہن کی خاطر بھائی کو قربانی کا بکرا بنایا جا رہا ہے تو یہ اس کے ساتھ سراسر زیادتی ہے۔

مزید برآں اس شرعی حکم کی بجا آوری میں تاخیر کا

وبال والدین پر بھی پڑ سکتا ہے۔ خدانخواستہ کوئی بچہ اگر پھسل کر گناہ کر بیٹھے تو قصوروار ماں باپ بھی ہوں گے۔ بچے کی حرکت کا انہیں علم نہ بھی ہو کیونکہ وہ نیکی اور تقویٰ کے معاون بننے کی بجائے گناہ اور ان کے عدوان کے معاون بنے ہیں جبکہ حکم یہ ہے کہ

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ﴾

"اور تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔"(سورۃ المائدۃ:2)

جہیز کی وجہ سے تاخیر

شادی بیاہ کے معاملے میں جو چیز بہت تکلیف دے بن چکی ہے وہ جہیز کا مسئلہ ہے جس کا شریعت میں سرے سے کوئی حکم ہی نہیں۔ یہ ہندوانہ رواج ہے جو ان کے ساتھ کئی صدیاں اکٹھے رہنے سے ہم میں بھی رچ بس گیا ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ اسے ترک کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بھی شادی ایسی نہیں ملتی جس میں لڑکی والوں سے مطالبہ کیا گیا ہو۔ یہ ماں باپ کی خوشی اور ان کی حیثیت ہے کہ اپنی بیٹی کو رضاکارانہ طور پر جتنا چاہیں دیں۔ نہ دیں تو پھر بھی ان پر لازمی جز سمجھ کر اس کی تیاری کی وجہ سے بیٹی کی رخصتی میں تاخیر کرنا شریعت کے منشاء سے عدم واقفیت کی علامت ہے۔ کئی تو دلہا والوں کے مطالبے کے بغیر صرف ناک رکھنے کی خاطر یا بیٹی کو طعنوں سے بچانے کے لئے ڈھیروں جہیز بنانے میں لگے رہتے ہیں، جس سے شادی میں تاخیر بھی ہوتی ہے اور اس میں بے انتہا اسراف بھی کرتے ہیں۔ ایسے اسراف پر ثواب تو کیا الٹا گناہ ہوتا ہے اور اللہ پاک انہیں شیطان کا بھائی قرار دیتے ہیں۔

اگرچہ جہیز کا مطالبہ لڑکے والوں کی طرف سے ہو تو یہ پرلے درجے کی کمینگی ہے۔ اسلام نے ہمیشہ دینے والوں کی تعریف کی ہے اور مانگنے والوں کی مذمت۔ ہم لوگ گلیوں میں مانگنے والے فقیر کو تو ذلیل سمجھتے ہیں مگر بڑی بڑی کوٹھیوں اور مکانوں میں رہنے والے منگتوں کی تعظیم کرتے ہیں۔ کئی لوگ بڑی ڈھٹائی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بے غیرتی سے سے جہیز میں مختلف اشیاء کا مطالبہ کرتے ہیں مگر جب حق مہر دینے کا سوال اٹھتا ہے تو بھیگی بلی بن کر اپنے آپ کو شریعت کا پابند ثابت کرتے ہوئے بے بنیاد قسم کے شرعی حق مہر کا وردالاپتے ہیں۔ حالانکہ شریعت نے حق مار کی کوئی مقدار مقرر ہی نہیں کی جس سے دولہا میاں کی استطاعت پر چھوڑ دیا گیا ہو۔

ایک اہم نکتہ

آخر میں ایک اہم نکتے کی طرف توجہ دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہمارا ایمان ہے کہ کوئی بھی کام اللہ کی مرضی کے بغیر نہیں ہو سکتا، جس میں رشتہ ملنا بھی شامل ہے۔ ہم لاکھ کوشش کریں مگر جب اللہ چاہے گا تب رشتہ ہوگا۔ اللہ پاک نے فرمادیا ہے:

﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ (سورۃ التکویر:29)

"تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اللہ تعالیٰ رب العالمین نہ چاہے۔"

اور پھر اللہ پاک نے ہر کام کا وقت مقرر کر رکھا ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾

"اللہ نے ہر شے کا ایک اندازہ، یعنی وقت مقرر کر رکھا ہے۔"(سورۃ الطلاق:3)

میرے مربی شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ترجمہ قرآن عزیز کے حاشیہ میں میں اس آیت کی مختصر سی تفسیر سادہ الفاظ میں یوں کرتے ہیں: "البتہ ہر چیز کا اندازہ ہے جب وقت آئے گا تب کام ہوگا۔"

لہٰذا والدین توکل کے اس پہلو کو نظر انداز کر کے رشتے میں تاخیر کے سبب اپنی نیندیں حرام نہ کریں۔ دعا کے ساتھ ساتھ تاخیری اسباب سے بچتے ہوئے اپنی کوشش جاری رکھیں۔ وقت مقررہ پر اللہ ضرور مدد فرمائے گا۔ دعا ہے کہ اللہ پاک سب کے رشتے پر کرانے میں مدد فرمائے۔ آمین

☆☆☆

اہلیہ کو بتا کر جانا بہتر ہے

اہلیہ کو یہ بتلانا مستحسن ہے کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؛ قرآن مجید میں ہے:"(سیدنا موسیٰ علیہ السلام) نے اپنے اہل خانہ سے کہا: ذرا ٹھہرو! میں نے آگ دیکھی ہے؛ شاید کہ تمھارے لیے ایک آدھ انگارا لے آؤں یا اس آگ پر مجھے (راستے کے متعلق) کوئی رہ نمائی مل جائے۔"(سورۃ طٰہٰ:10)

عورت اور مرد کا زیور

بنی اسرائیل کے ایک زاہد کا قول ہے کہ عورت کی زینت حیا ہے اور دانا شخص کی زینت خاموشی۔

(الصمت لابن ابی الدنیا: ص 263)

☆☆☆

سوال: ایک صاحب نے ای میل سے اپنا سوال ارسال کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس معاشرے میں ایسے کئی لوگ موجود ہیں جو دین اسلام کے بارے میں تحقیق کرنے کے بعد مطمئن نہیں ہوئے اور اس لیے اسلام قبول نہیں کیے۔ اس کے باوجود انہوں نے دیانتداری اور راستی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کی تو کیا وہ جنت کے مستحق نہیں ہوں گے؟

جواب: نبی ﷺ کی بعثت کے بعد جنت میں داخلے کے لیے اللہ پر ایمان اور محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت پر ایمان لازمی ہے، اللہ پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے لیے خالص طور پر عبادت کی جائے اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان کا تقاضا ہے کہ ان کی پوری پوری اطاعت کی جائے۔

ان دونوں میں سے کسی ایک کا بھی انکار کیا تو پھر ایسے شخص کے لیے جہنم واجب ہو گئی۔ اس مضمون کی قرآن کریم میں کئی آیات ہیں۔ ہم یہاں صرف تین آیات اور ایک حدیث ذکر کرنے پر اکتفا کریں گے:

1۔ فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ﴾(سورۃ البینۃ:6)

”بے شک اہل کتاب اور مشرکین میں سے جنہوں نے کفر کیا، وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے اور وہ لوگ تمام خلائق میں بدترین لوگ ہیں۔“

اس آیت میں تمام کفار کے لیے عمومی طور پر حکم لگایا گیا ہے لیکن اگلی دو آیات میں خصوصی طور پر اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے۔

2۔ ﴿وَمَن لَّمْ يُؤْمِن بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا﴾(سورۃ الفتح:13)

”اور جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لائے تو ہم نے کفار کے لیے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔“

3۔﴿ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا﴾(سورۃ الجن:23)

”اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔“

4۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لاَ يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَلاَ نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ إِلاَّ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ» (صحیح مسلم:153)

”اور قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، اس امت میں کوئی بھی، چاہے وہ یہودی ہو یا عیسائی، میرے بارے میں سنے اور پھر میری رسالت پر ایمان لائے بغیر مر جائے تو وہ آگ کے باشندوں میں سے ہے۔“

خیال رہے کہ نبی ﷺ کے زمانے سے لے کر قیامت تک جتنے بھی لوگ ہیں وہ نبی ﷺ ہی کی امت ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ جنہوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہا، یعنی اسلام میں داخل ہو گئے وہ امت جابلیت کہلاتے ہیں اور جنہوں نے قبول نہیں کیا وہ امت دعوت میں داخل ہیں۔

یہاں جو یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر ہوا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ باقی لوگ مراد نہیں ہیں، بلکہ مقصد یہ بتایا ہے کہ اگر یہودی اور عیسائی جو اللہ کو مانتے ہیں، تورات اور انجیل جیسی آسمانی کتابوں کے حامل ہیں، وہ بھی اگر اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں جاننے کے بعد بھی ان پر ایمان نہ لائیں تو پھر ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جو کسی بھی نبی کو نہیں مانتے اور پھر اسی حالت کفر میں مر جاتے ہیں، تو ان کے لیے تو جہنم بالاولی واجب ہو گی۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عقل وخرد کی نعمت سے نوازا ہے، یہ کائنات اللہ تعالی کی وحدانیت کی نشانیوں سے بھری ہوئی ہے۔ کیا انسان کے لیے یہ روا ہے کہ وہ اس کائنات کی تمام نعمتوں سے لطف اندوز ہو اور پھر خالق کائنات کے بارے میں سوچنے کا تکلف بھی گوارا نہ کرے؟ ایک شخص اپنے ماں باپ سے دور ہے اور پھر ایک قاصد ان کی طرف سے ایک پیغام لے کر آتا ہے تو کیا وہ اس قاصد کو فوراً دھتکار دے گا یا یہ جاننے کی کوشش کرے گا کہ آیا وہ حقیقۃً اس کے ماں باپ کا قاصد ہے یا نہیں؟

ایسے ہی اللہ رب العالمین کی طرف سے ایک رسول نے چودہ صدیاں قبل آ کر رسالت کا دعویٰ کیا۔ اپنی رسالت پر قرآن مجید کو پیش کیا کہ جس کی آیات ہر طرح سے معجزہ ہیں۔ تاریخی اعتبار سے، مستقبل کی خبروں کے لحاظ سے، زبان وبیان کی بلاغت کے اعتبار سے، اپنی تعلیمات کی صداقت وحکمت کے ہر ہر عنوان سے، تو کیا انسان پر غور وفکر کیے بغیر آنکھیں موند لے گا؟ اگر وہ پھر اسے ٹھکراتا ہے تو اپنے آپ پر ہی ظلم کرتا ہے، اپنے لیے خود کو جہنم میں جانے کا

سبب بنتا ہے۔ البتہ اس شخص کے بارے میں سوال کیا جا سکتا ہے جسے سرے سے اسلام کی دعوت پہنچی ہی نہیں یا جس نے نبی ﷺ کے بارے میں سنا ہی نہیں، ایسا شخص مرنے کے بعد جنت میں جائے گا یا جہنم میں؟

علماء نے اس مسئلہ میں اپنی اپنی رائیں پیش کی ہیں۔ سب سے بہتر امام ابن القیم رحمہ اللہ کی رائے معلوم ہوتی ہے، جس کی بنیاد مندرجہ ذیل حدیث پر ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے:

الاسود بن سریع راوی ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"چار قسم کے لوگ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے، ایک بہرا شخص جو کچھ سن نہیں سکتا، ایک احمق شخص، ایک بہت ہی بوڑھا آدمی، اور ایک وہ آدمی جو حالت فترت کے دوران ہی وفات پا گیا تھا، (یعنی نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے کا زمانہ جب کہ کوئی نبی نہ تھا)

بہرا آدمی کہے گا، اسلام کی دعوت آچکی تھی لیکن میں کچھ سن نہ سکا تھا، احمق شخص کہے گا کہ اسلام کی دعوت پہنچی لیکن میں اس حالت میں تھا کہ بچے مجھ پر مویشیوں کی مینگنیاں پھینکا کرتے تھے، بہت ہی بوڑھا شخص کہے گا کہ اسلام کی دعوت پہنچی لیکن میں کچھ سمجھنے کے قابل نہ رہا تھا۔ حالت فترۃ میں مرنے والا شخص کہے گا: اے میرے رب! مجھ تک تو کوئی نبی سرے سے آیا ہی نہیں! پھر اللہ تعالیٰ ان سب سے یہ عہد لیں گے کہ وہ اللہ کی اطاعت کریں گے، پھر اللہ ان کی طرف یہ حکم صادر کرے گا کہ سامنے آگ ہے اس میں کود جاؤ! اللہ کے نبی کہتے ہیں: اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کہ یہ آگ ان کے لیے ٹھنڈی ہو جائے گی اور سلامت کی خیر لائے گی۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام لوگ جو کسی عذر کی بنا پر اسلام قبول نہ کر سکے، ان کے لیے بروز محشر ایک امتحان تیار ہو گا اور اگر وہ اس امتحان میں کامیاب ہو گئے تو پھر جنت کے دروازے ان کے لیے بھی کھل جائیں گے۔

سوال: حلقہ درس حدیث سے ایک طالب علم نے سوال کیا ہے کہ حالت احرام میں نکاح کرنے یا کروانے کے بارے میں دو متضاد احادیث ہیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ، ولا يُنْكَحُ، ولا يَخْطُبُ» (صحیح مسلم)

"جو شخص حالت احرام میں ہو وہ نہ نکاح کرے اور نہ ہی (بحیثیت ولی) کسی کا نکاح کرائے اور نہ ہی نکاح کا پیغام دے۔"

اور پھر صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایت ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا جب کہ وہ محرم تھے، امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جب وہ حلال ہو گئے تو ان سے صنفی تعلق قائم کیا اور ان کا انتقال مقام سَرف میں ہوا۔

اب ان دونوں حدیثوں میں صریح تضاد ہے تو اس کی وضاحت فرمائیں۔

جواب: اس مسئلہ کو ہمارے شیخ محمد الامین الشنقیطی نے بڑی وضاحت کے ساتھ سورۃ الحج کی تفسیر کرتے ہوئے اپنی معرکۃ الآراء تفسیر 'اضواء البیان' کی پانچویں جلد میں بیان کیا ہے۔ میں ان کے مضمون ہی کی تلخیص کیے دیتا ہوں۔ مذکورہ دونوں احادیث اور چند دیگر احادیث کی بنا پر صحابہ، تابعین اور ائمہ کرام میں دو رائیں پائی جاتی ہیں۔

پہلی رائے ممانعت کی ہے جو جمہور کی رائے ہے اور اس کے قائل ہیں سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی، سیدنا زید بن ثابت، سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے سعید بن المسیب، سلیمان بن یسار، الزہری اور ائمہ میں سے امام مالک، امام احمد، امام شافعی، امام اوزاعی رحمہم اللہ وغیر ہم۔

دوسری رائے جواز کی ہے اور اس کے قائل ہیں، سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، تابعین میں سے عطاء اور عکرمہ اور ائمہ میں سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ۔

جمہور کے دلائل مندرجہ ذیل احادیث و آثار ہیں:

1۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت جس کی ابتدا یوں ہوتی ہے کہ سیدنا عمر بن عبید اللہ نے طلحہ بن عمر کا نکاح شیبۃ بن جُبیر کی بیٹی سے کرنا چاہا تو انہوں نے حج کے امیر اَبان بن عثمان سے استدعا کی کہ وہ حاضر ہوں تو اَبان نے کہا کہ میں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مُحرم (وہ شخص جو حالت احرام میں ہو) نہ نکاح کرے، نہ کرائے اور نہ نکاح کا پیغام دے۔" (صحیح مسلم)

2۔ سیدہ میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کی تھی جب کہ وہ حلال تھے (یعنی حالت احرام میں نہ تھے) (صحیح مسلم)

3۔ سیدنا ابو رافع روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میمونہ سے عقد کیا، جب کہ وہ حلال تھے اور ان سے صنفی تعلق قائم کیا جب بھی وہ حلال تھے اور میں دونوں کے درمیان پیغامبر کی حیثیت رکھتا تھا۔ (سنن الترمذی)

4۔ ابو غطفان بن طریف المری کہتے ہیں کہ ان کے باپ طریف نے حالت احرام میں ایک خاتون سے شادی کی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس نکاح کو مردود قرار دیا۔ (مؤطا امام مالک)

5۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ ایک شخص مکہ سے نکل رہا ہے اور عمرہ یا حج کا قصد رکھتا ہے

اور وہ ایک خاتون سے شادی بھی کرنا چاہتا ہے؟ تو انہوں نے کہا: اگر تم حالت احرام میں ہو تو شادی مت کرو، نبی ﷺ نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے۔ (مسند احمد)

اور دوسری رائے کی دلیل سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ روایت ہے جو صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن اربعہ اور مسند احمد میں موجود ہے اور جس کا تذکرہ پہلے آچکا ہے اور چونکہ یہ حدیث متفق علیہ ہے، صاف صاف بتا رہی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حالت احرام میں سیدنا میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا اور اللہ کے رسول ﷺ اپنی امت کے لیے اسوۂ حسنہ ہیں تو اس کے جواز میں کیا شک رہ جاتا ہے اور اگر ایسا کرنا حرام ہو تا تو اللہ کے رسول ﷺ یہ کام کیوں کرتے؟

اب یہ دو متضاد حدیثیں ہیں اور اصولی قاعدہ ہے کہ اگر دو دلیلیں متعارض ہوں تو ان دونوں کا ایسا معنیٰ لینا چاہیے جس سے اختلاف رفع ہو جائے۔ یعنی حتی الامکان دونوں میں جمع (یعنی موافقت) پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر ایک روایت کو دوسری روایت پر ترجیح دی جائے۔

پہلے ہم جمع و تطبیق کی کوشش کرتے ہیں۔ یعنی دونوں روایتوں (روایت ابن عباس اور روایت میمونہ رضی اللہ عنہم) کا ایسا مطلب لیا جائے کہ دونوں میں تعارض باقی نہ رہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں (تَزَوَّجَهَا وَهُوَ مُحْرِمٌ) کے الفاظ آئے ہیں۔ مُحرِم کے چند دوسرے معانی بھی ہیں جن سے یہ تعارض دور ہو جاتا ہے۔

ایک معنیٰ تو یہ ہے کہ وہ اس وقت حرمت والے مہینے میں داخل ہو چکے تھے اور یہ بات اس لیے بھی درست ہے کہ نبی ﷺ نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو یہ 7ھ کا ماہ ذی القعدہ تھا جب کہ وہ اس عمرے کو ادا کرنے کے لیے آئے جس سے پچھلے سال انہیں روک دیا گیا تھا۔ یعنی وہ اس وقت حلال تھے جیسا کہ ابو رافع اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ذکر کیا گیا ہے۔

مُحرِم کا یہ معنیٰ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی نسبت سے الراعی کے اس شعر میں بھی لیا گیا ہے:

قتلوا ابنَ عفّانَ الخليفةَ محرمًا

انہوں نے سیدنا عثمان بن عفان خلیفہ کو ایک حرمت والے مہینہ (یعنی ذوالحجہ) میں قتل کر دیا۔

مُحرِم، میں زبان اور مکان دونوں لے جا سکتے ہیں، یعنی اس شعر کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو حرم مدینہ میں قتل کر دیا۔

اصمعی نحوی کے نزدیک اس سے حرمت اسلام بھی مراد ہو سکتی ہے، کہ بحیثیت ایک مسلمان کے، ان کی حفاظت واجب تھی لیکن انہوں نے اسلام کی اس حرمت کا قطعاً کوئی خیال نہ رکھا۔

اب اگر کسی شخص کا اس تفسیر پر دل مطمئن نہیں ہوتا تو ہم دوسرا راستہ اختیار کرتے ہیں کہ ابو رافع اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا والی روایت کو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت پر مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر ترجیح حاصل ہے:

1۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا یہ اپنا قصہ ہے کہ جس کی وہ روایت کر رہی ہیں اور علم اصول میں یہ بات طے ہے کہ اگر راوی کا وہ اپنا ہی قصہ ہے تو اس کی روایت کو غیر شخص کی روایت پر ترجیح دی جائے گی۔

2۔ اسی طرح ابو رافع کی روایت کو بھی ترجیح حاصل ہو گی کہ ان کا تعلق بھی اس روایت سے بنتا ہے، وہ اس لیے کہ وہ خود کہتے ہیں کہ میں ہی نبی ﷺ اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے درمیان اس سلسلے میں پیغامبر تھا۔

3۔ ان دونوں کی روایت کو اس لیے بھی ترجیح حاصل ہے کہ جس وقت یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا، یہ دونوں بالغ تھے جب کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اس وقت نابالغ تھے اور یہ بھی اصولی قاعدہ ہے کہ اگر ایک راوی روایت کو اخذ کرتے وقت بالغ تھا اور دوسرا نابالغ تو پہلے کی روایت راجح ہو گی۔

البتہ اگر اس روایت کا راوی ایک ہی شخص ہو اور وہ روایت اخذ کرتے وقت نابالغ ہو لیکن روایت ادا کرتے وقت بالغ ہو تو اس کی روایت کو قبول کیا جائے گا۔

4۔ اگر یہ کہا جائے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں ہے، جب کہ دوسری روایت صرف مسلم میں ہے تو ہم کہیں گے کہ چونکہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت پر دونوں محدثین کا اتفاق ہے تو اس کی صحت پر کوئی کلام نہیں کیا جا سکتا لیکن چونکہ ابو رافع اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایات بھی صحیح ہیں لیکن ان دونوں کا تعلق اصل قصے سے ہے، اس لیے بہر صورت انہیں ترجیح حاصل رہے گی۔

5۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نبی ﷺ کا حالت حلال میں نکاح کرنا، دونوں راویوں سے ثابت ہے، بر خلاف سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے جس میں کہا گیا کہ آپ حالت احرام میں تھے اور اس لحاظ سے ابو رافع اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بربنائے کثرت ترجیح حاصل ہے، لیکن اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ امام ابن حجر رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اکیلے اسے روایت نہیں کر رہے بلکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی روایت مروی ہے تو ہم کہیں گے کہ عدد کے لحاظ سے تو دونوں روایتوں میں فرق نہ رہا لیکن ترجیح کی بنیاد قوت ظن ہے، یعنی کونسی روایت سے زیادہ یقین حاصل ہوتا ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ چونکہ سیدہ میمونہ کا یہ اپنا قصہ ہے، پھر ابو رافع پیغامبر کی حیثیت سے اس قصے سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے ان دونوں کی

روایت کو ترجیح حاصل رہے گی۔

6۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ نبی ﷺ نے حالت احرام میں نکاح کیا تھا، تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ بربنائے روایت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ حالت احرام میں عمومی طور پر نکاح کرنا ناجائز ہے اور اس عمومی حکم میں اللہ کے رسول بھی شامل ہیں لیکن جب اللہ کے رسول نے یہ فعل کیا ہے تو پھر یہ اجازت ان خصوصیات میں سے ہے جو نبی ﷺ کو عطا کی گئی تھیں۔

7۔ کچھ لوگوں کا یہ کہنا کہ "لَا يُنْكِحُ" سے مراد صنفی تعلقات قائم کرنے سے منع کیا گیا ہے، لیکن عقد نکاح کیا جا سکتا ہے، درست نہیں ہے کیونکہ اسی حدیث میں دو دوسری چیزوں سے بھی منع کیا گیا ہے اور وہ ہیں: "لَا يُنْكِحُ" "نہ ہی وہ نکاح کرائے" اور یہ حکم ولی کو دیا جا رہا ہے تو ظاہر ہے کہ اس سے مراد عقد نکاح کی ممانعت ہے، اور تیسری چیز ہے: "لَا يَخْطُبُ" "نہ ہی پیغام نکاح دے" اور یہ بات تو عقد نکاح سے بھی کمتر چیز ہے۔ اگر منگنی کرنا بھی ناجائز ہے تو عقد نکاح کرنا بالاولی ناجائز ہو گا۔

اور ابان بن عثمان کی اس روایت کا اگر سبب دیکھا جائے تو بھی مذکورہ بالا بات ہی کی تائید ہوتی ہے اور وہ یہ کہ عمر بن عبید اللہ نے اپنے بیٹے طلحہ کی شادی شیبہ بن جبیر کی بیٹی سے کرنا چاہی تھی تو ابان نے سختی سے انکار کر دیا تھا چونکہ وہ حالت احرام میں تھے اور پھر انہوں نے عثمان بن عفان والی مذکورہ روایت پڑھ کر سنائی تھی۔

8۔ مزید یہ ہے کہ اس ضمن میں کئی ایسے آثار ملتے ہیں جو مذکورہ رائے کی تائید کرتے ہیں کہ ہم عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور طریف کی روایات ذکر کر چکے ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے وارد ہے کہ جو حالت احرام میں نکاح کرے گا تو ہم اس سے اس کی بیوی جدا کر دیں گے۔ (بیہقی)

زید بن ثابت نے اپنے آزاد کردہ غلام شوذب اور اس کی بیوی کو جدا کر دیا تھا کیونکہ اس نے حالت احرام میں نکاح کیا تھا۔ (بیہقی)

سعید بن المسیب کا یہی مسلک تھا بلکہ انہوں نے تو اہل مدینہ کا اجماع اس بات پر نقل کیا ہے۔ خلاصہ کلام یہی ہے کہ اس مسئلہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا اور ابو رافع کی روایت کو بمقابلہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما ترجیح حاصل ہے۔ یعنی حالت احرام میں نکاح کرنا یا کرانا بھی منع ہے۔

☆☆☆

آدمی آج بہ مشکل ہی بشر لگتا ہے

نفرتوں سے کہیں الفت کا شجر لگتا ہے
جھوٹ کی شاخ پہ مشکل سے ثمر لگتا ہے

ناگہاں جل اٹھا ظالم کا نشیمن کل جو
کسی مظلوم کی آہوں کا اثر لگتا ہے

اپنے اطوار میں حیوان سے یہ بدتر ہے
آدمی آج بہ مشکل ہی بشر لگتا ہے

ذات وہستی میں توازن بھی ہے شرط لازم
تیری دستار سے اونچا تیرا سر لگتا ہے

اپنی سچائی تو عالم میں بغاوت ٹھہری
آپ کا جھوٹ زمانہ کو ہنر لگتا ہے

دل کے آنگن میں کچھ اس طرح بسا ہوں تیرے
تیرے کوچے سے نکلنا بھی سفر لگتا ہے

زندگی یوں ہی گزر جائے گی راہوں میں تری
تیرا رستہ ہے کہ دیوانوں کو گھر لگتا ہے

اک تری یاد سے معمور ہے دل کی دنیا
تیری یادوں کے بنا یہ تو کھنڈر لگتا ہے

صحبت یار کا حاصل تو یہی اے حافظ
اپنے سایہ سے بھی اکثر ہمیں ڈر لگتا ہے

حافظ عبد العظیم حافظ مدنی، عمر آباد

الحمد لله والصلاة والسلام علی رسول الله وعلی آله وصحبه ومن والاه وبعد

تاریخ وعقائد شیعہ بیک نظر

بہت سارے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شیعیت حنفی شافعی مالکی اور حنبلی کی طرح ایک مسلک ہے، جب کہ اگر کوئی شیعہ کی کتابوں کا مطالعہ کرے تو اسے پتہ چلے گا کہ وہ ایک مسلک یا فرقہ نہیں بلکہ حقیقی دین اسلام سے مختلف بہت سارے کفریہ وشرکیہ عقائد کا حامل دین ہے۔

شیعیت کی ابتدا

خلیفہ راشد عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سن 37ہجری میں جنگ صفین کے موقع پر فرقہ خوارج رونما ہوا جس کے مقابل کوفہ سے شیعیت ابھرنے لگی، لیکن پہلے پہل شیعیت کا تصور محض اتنا ہی تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل قرار دیا جائے۔

یمن سے تعلق رکھنے والے یہودی عبد اللہ بن سبا نے بظاہر اسلام قبول کیا اور سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی وصیت اور اس کے وجوب کو بتایا اور تینوں خلفاے راشدین کو برا بھلا کہنے پر لوگوں کو آمادہ کیا، واضح رہے کہ یہودیت کے یہاں یوشع بن نون کے متعلق یہی نظریہ ہے کہ وہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے خلیفہ رہیں گے اور اسی فکر کو ابن سبا نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق عام کرنا شروع کیا۔

شیعہ کے بڑے اور مشہور فرقے

شیعہ کے فرقے تقریبا تین سو سے زیادہ ہیں، لیکن موجودہ دور میں شیعیت کے تین بڑے فرقے ہیں: اسماعیلی زیدی اور اثنا عشری (بارہ امامی) جو ان تینوں میں سب سے بڑا فرقہ ہے جنہیں رافضہ بھی کہا جاتا ہے۔

شیعہ کی بعض اہم کتابیں

قدیم کتابوں میں محمد بن یعقوب الکلینی (وفات 329 ہجری) کی کتاب الکافي محمد القمی (وفات 381ہجری) کی کتاب من لایحضرہ الفقیہ محمد بن حسن الطوسی (وفات 460ہجری) کی کتاب تھذیب الأحکام، اسی مولف کی دوسری کتاب الاستبصار في ما اختلف من الأخبار ہے اور متاخرین کی کتابوں میں محمد حسن فیض کاشانی (وفات 1091 ہجری) کی کتاب الوافي اور محمد باقر المجلسی (وفات 1111 ہجری) کی کتاب بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطھار ہے جو 110 جلدوں پر مشتمل ہے۔

رافضہ کا موقف یہود ونصاری کے موقف سے زیادہ خطرناک

یہود سے اگر سوال ہو کہ تمہارے دین میں سب سے بہترین طبقہ کون سا ہے تو جواب ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کا طبقہ سب سے بہترین ہے، نصاری سے اگر سوال ہو کہ تمہارے دین میں سب سے بہترین طبقہ کون سا ہے، تو جواب ہوگا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کا طبقہ سب سے بہترین طبقہ ہے جب کہ رافضہ سے اگر پوچھا جائے کہ تمہارے دین میں سب سے بدترین طبقہ کون سا ہے تو ان کا جواب ہوگا۔۔ نعوذ باللہ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا طبقہ سب سے بدترین طبقہ ہے، اللہ نے قرآن میں جن کے لیے استغفار کرنے کا حکم دیا، رافضہ نے ان ہی کو برا بھلا بلکہ کافر کہا۔

شیعہ کے بعض تاریخی جرائم

خلیفہ ہارون رشید کے زمانے میں علی بن یقطین نے پانچ سو سے زیادہ سنی قیدیوں پر چھت گرا دی جس کی وجہ سے وہ فوراً مر گئے۔ خلیفہ معتصم باللہ کے زمانے میں خواجہ نصیر الدین طوسی نے غدر کیا، جس کی وجہ سے بغداد میں لاکھوں سنی مارے گئے آصف خان کی وجہ سے دلی کے سنی نادر شاہ کی موت واقع ہوئی، ملتان اور لکھنؤ میں اس جیسے سانحے پیش آئے اور ماضی قریب میں میر صادق نے ٹیپو سلطان اور میر جعفر نے سراج الدولہ کے ساتھ ایسے ہی غدر کیا اور حال ہی میں انھوں نے مسجد کے بمقابل کفار کی عبادت گاہ تعمیر کرنے کیلئے چاندی کے تیروں کا نذرانہ پیش کیا۔

شیعہ کا ایمان

سیدنا علی رضی اللہ عنہ زمین کے رب ہیں، (مرآۃ الأنوار و مشکاۃ الأسرار للنباطی: 59) اور زمین کا رب زمین کا امام ہے (تفسیر القمی: 2/253؛ البرھان: 7/84؛ تفسیر الصافی: 4/331) اور ائمہ پر ایمان لانا عین ایمان ہے۔ (مقالات الاسلامیین واختلاف المصلین لابی الحسن الاشعری: 1/125) اور عاشور خانوں پر ان کا کلمہ بھی شہادتین کے بعد اضافے کے ساتھ مختلف انداز سے لکھا رہتا ہے:

وعلي ولي الله ووصي رسول الله وخليفته بلافصل

شیعہ اور قرآن حدیث اور اجماع

شیعہ کے پاس مصحف فاطمہ (أصول الکافی: 1/240)

اور لوح فاطمہ (بحار الانوار: 26/ 44، بصائر الدرجات: ص 43) پایا جاتا ہے اور اہل سنت کا قرآن ان کے یہاں ناقص وغیر محفوظ ہے۔ (أصول الکافی: 239) کیونکہ سورۃ الولایۃ اہل سنت کے قرآن میں نہیں پائی جاتی ہے، (الخطوط العریضۃ: 12؛ مختصر التحفۃ: ص 31؛ مجلۃ الفتح العدد: 9/ 4842) وکتاب الشیعۃ والتشیع لأحمد الکسروی) علاوہ ازیں قرآن بارہ اماموں میں سے کسی ایک امام کے بغیر حجت نہیں، (أصول الکافی: 1/ 188) اور امام کی بات اللہ اور اس کے رسول کی بات کی طرح ہے۔ (الاعتقادات لابن بابویہ: ص 109؛ والأصول العامۃ للفقہ المقارن لمحمد تقي الحکیم: ص 122) علاوہ ازیں اجماع کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ امام کی بات معتبر ہوگی۔ (نہایۃ السول للاسنوی: 3/ 24)

شیعہ اور صحابہ کرام کو کافر قرار دینا

مقداد بن اسود، ابوذر غفاری اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم مدینہ کے علاوہ بقیہ صحابہ مرتد ہیں۔ (الروضۃ من الکافی للکلینی: 8/ 245) اور شیعہ نے بالخصوص خلفاء راشدین اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ناقابل تحریر باتیں لکھی ہیں، جبریل امین علیہ السلام پر خیانت کی تہمت لگائی ہے اور غور طلب بات ہے کہ شیعہ اپنے آپ کو مومنین کی جماعت قرار دے کر غیر شیعہ کو کیا قرار دیتے ہیں؟

شیعہ اور اہل سنت کی جان ومال

اہل سنت (شیعہ کی نظر میں نواصب) کا قتل کرنا حلال ہے۔ (علل الشرائع: 201) اور اہل سنت کا مال شیعہ کے لیے مال غنیمت ہے۔ (تہذیب الأحکام: 4/ 122) اور اہل سنت نجس وناپاک ہیں۔ (أحکام الشیعۃ: 1/ 137)

شیعہ اور مسئلہ خلافت

شیعہ کا ماننا ہے کہ خلافت و امامت نبی ﷺ کی وصیت کی بنا پر نبی ﷺ کے فوراً بعد علی رضی اللہ عنہ ہی کے لیے خاص تھی۔ (بحار الأنوار: 39/ 342)

شیعہ اور عصمت ائمہ

شیعہ کا عقیدہ ہے کہ ان کے سارے امام انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم عن الخطاہیں۔ (بحار الأنوار: 25/ 211) بلکہ فرشتوں اور انبیاء سے بھی افضل ہیں۔ (مقالات الإسلامیین: ص 120) اور انبیاء کو جو بھی معجزات و درجات ملے ہیں وہ سب ان ائمہ کی دین ہیں۔ (بحار الأنوار: 26/ 294)

شیعہ اور تقیہ

تقیہ یعنی غلط بیانی نفاق اور جھوٹ شیعہ کے پاس ایک فریضہ ہے۔ (بحار الأنوار: 5/ 411) جس کو اختیار کیے بغیر کوئی مومن نہیں ہوسکتا۔ (إکمال الدین: ص 355)

شیعہ اور غیبہ

شیعہ کے ائمہ موت کے بعد مرتے نہیں بلکہ خفیہ طور پر غائب ہوجاتے ہیں اور مہدی بن کر لوٹ آئیں گے۔ (مقالات الإسلامیین: 1/ 89)

شیعہ اور عقیدۂ رجعت

شیعہ کے ائمہ بلکہ اولیاء وعوام مرنے کے بعد دنیا ہی میں لوٹ کر آتے ہیں۔ (أوائل المقالات: ص 51)

شیعہ اور عقیدہ ظہور

شیعہ کے ائمہ مرنے کے بعد بھی بعض خواص شیعہ کے لیے ظاہر ہوتے ہیں، کرامات دکھاتے ہیں پھر ان کی قبروں کی جانب لوٹ جاتے ہیں۔ (بحار الأنوار: 303، 304)

شیعہ اور عقیدۂ بداء

شیعہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ابتدا سے کسی چیز کا علم اور اس کی کوئی خبر نہیں ہوتی ہے۔ (بحار الأنوار: 4/ 107) یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی جانب جہل ولاعلمی کو منسوب کرتے ہیں۔

شیعہ اور عقیدہ طینہ

شیعہ کا ماننا ہے کہ آخرت میں ان کے گناہ کبیرہ کا وبال غیر شیعہ یعنی دوسروں پر آئے گا۔ (الأنوار النعمانیۃ: 1/ 295)

شیعہ اور متعہ

شیعہ کے پاس مقررہ وقت تک اجنبی کے ساتھ جنسی تعلقات رکھے جاسکتے ہیں۔ (النہایۃ للطوسی: ص 491)

شیعہ اور قبر حسین رضی اللہ عنہ کی زیارت

شیعہ کے پاس حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کرنا 20 حج کرنے کے برابر ہے۔ (فروع الکافی: 1/ 324)

شیعہ اور اہل سنت کی عبادات

شیعہ اہل سنت کی طرح باجماعت نماز کی ادائی اور ان کی بہت ساری عبادات کو معیوب سمجھتے ہیں۔

(المناظرۃ بین أهل السنۃ والرافضۃ: ص 97)

شیعہ اور دہشت گردی

شیعہ حزب اللہ اور دیگر ناموں سے دنیا میں دہشت گردی کو فروغ دیتے ہیں۔

شیعہ اور کفار کی عبادت گاہیں

شیعہ مسلمانوں کی مساجد کے بمقابل کفار کی عبادت گاہوں کی تعمیر کے لیے چاندی کے تیروں کو بطور ہدیہ ونذرانہ پیش کرتے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ

شیعیت حنفیت وشافعت کی طرح کوئی مسلک نہیں بلکہ اسلام کے مقابل ایک مستقل دین ہے اسی لیے وہ اپنے عقائد ومسائل کے لیے دین الامامیہ کی تعبیر بارہا استعمال کرتے رہتے ہیں۔ (الاعتقادات لابن بابویہ والفہرست للطوسی: ص 189)

غور طلب بات ہے کہ

اہلسنت کی حکومتوں کا تختہ الٹنے میں شیعیت واخوانیت یکساں ہیں اور آج اخوان ایران میں بڑے مقبول ہیں، بعینہ اماموں کو انبیاء سے افضل سمجھنے اور ان میں غلو کرنے میں شیعیت وصوفیت یکساں ہیں اور آج اہل سنت کے درمیان شیعیت صوفیت کے ذریعے داخل ہورہی ہے جیسا کہ شیعہ کی ایجاد کردہ میلاد کی بدعت کو صوفی فروغ دے رہے ہیں اور غیر شعوری طور پر امت صوفیت، اخوانیت وشیعیت کے راستے یہودیت تک پہنچ رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی صحیح سمجھ اور اس پر عمل کی توفیق عنایت فرمائے۔

وصیت کے مختصر احکام

وصیت کیا ہے؟

میت کا وہ حکم یا کام جسے اس کی وفات کے بعد کیا جاتا ہے اسے وصیت کہتے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾

"تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت کا وقت آجائے تو اگر وہ کچھ مال چھوڑ جانے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے دستور کے مطابق وصیت کر جائے، اللہ سے ڈرنے والوں پر یہ ایک حق ہے۔" (سورۃ البقرۃ:180)

وصیت اور ہبہ میں فرق

وصیت کا تعلق موت سے ہے اور ہبہ کا تعلق زندگی سے اس لئے وصیت کا نفاذ وفات کے بعد ہوتا ہے اور ہبہ کا زندگی میں ہی، اور ہبہ برابر برابر تقسیم کیا جاتا ہے جبکہ وصیت مختلف ہو سکتی ہے۔

وصیت کی حکمت

آدمی زندگی بھر محنت کرتا ہے اور پسینہ بہا بہا کر مال جمع کرتا ہے اور جب مر جاتا ہے تو اس کے ورثاء اس مال سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اس لئے آدمی کو چاہئے کہ وفات سے پہلے ورثاء کو اپنے مال میں سے بھلائی کے کاموں میں صرف کرنے کی وصیت کر جائے۔ یہ اللہ کا بندوں پر انعام سے کم نہیں کہ اس کی وصیت کے نفاذ سے وفات کے بعد بھی ثواب ملے گا۔ اسی طرح کوئی محتاج رشتہ دار ہو جو ترکہ میں حصہ دار نہیں ہو سکتا اسے کچھ نہ کچھ وصیت کر جائے۔

وصیت کا حکم

وصیت کا حکم احکام شرعیہ کی طرح پانچ احوال پر منحصر ہے۔ اگر آدمی کے ذمہ بندوں کے حقوق ہیں مثلا قرض، امانت، ہڑپا ہوا مال، چوری کی ہوئی چیز، زکوۃ و کفارہ وغیرہ تو ان حقوق کی وصیت کرنا واجب ہے۔ اعزاء واقرباء (وارث کے علاوہ) کے لئے وصیت کرنا مستحب ہے مثلا کسی مسکین رشتہ دار یا نیکی کے کاموں کی وصیت کرنا۔ اللہ کی معصیت میں وصیت کرنا حرام ہے جیسے کوئی بیٹے کو ڈاکو بننے کی وصیت کرے یا اپنے مال سے اپنی قبر پہ مزار تعمیر کرنے کا حکم دے۔ وارث محتاج ہو تو فقیر کے لئے مال کی وصیت کرنا مکروہ ہے۔ مالدار آدمی، مالدار رشتہ دار یا اجنبی کے لئے وصیت کرے مباح کے درجے میں ہے۔

وصیت کب کرے

آدمی اگر کہیں دور دراز کا سفر کرے مثلا سفر حج و عمرہ یا بغیر سفر کے اگر اس کے پاس لوگوں کی امانتیں اور حقوق ہوں تو واجبی طور پر وصیت لکھ لے اور کسی امانت دار کے پاس جمع کر دے تاکہ لوگوں کے حقوق ضائع نہ ہوں۔ موت کی کسی کو خبر نہیں۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«ما حقُّ امرئٍ مسلمٍ ، له شيءٌ يُوصي فيه، يَبيتُ ليلتين إلا ووصيتُه مكتوبةٌ عندَه»

"کسی مسلمان کے لئے جن کے پاس وصیت کے قابل کوئی بھی مال ہو درست نہیں کہ دو رات بھی وصیت کو لکھ کر اپنے پاس محفوظ رکھے بغیر گزارے۔" (صحیح بخاری:2738)

لیکن اگر کسی کا کوئی حق نہ ہو تو اس صورت میں وصیت کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ مستحب ہے اور اگر اللہ نے مال سے نوازا ہے تو بہتر ہے کہ نیکی اور بھلائی کے کاموں کی وصیت کر جائے تاکہ وفات کے بعد اس کا ثواب ملے۔ یاد رہے وصیت ثلث مال سے زیادہ کی نہیں کر سکتا۔

وصیت لکھنے کا طریقہ

شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے وصیت لکھنے کا طریقہ اس طرح لکھا ہے کہ میں فلاں وصیت کرنے والا وصیت کرتا ہوں اس بات کی گواہی دیتے ہوئے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، وہ یکتا اور تنہا اور اس کا کوئی شریک نہیں، محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور سیدنا عیسی علیہ السلام اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جسے سیدہ مریم علیہا السلام کی طرف ڈال دیا تھا اور اس کے پاس کی روح ہیں۔ جنت حق ہے، جہنم حق ہے، قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ جو قبروں میں ہے اللہ اسے دوبارہ زندہ کرے گا۔ میں سارے اہل وعیال کو اللہ سے ڈرنے، آپس میں صلح صفائی کرنے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے، ایک دوسرے کو حق کی اور اس پر صبر کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ میں ان سب کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرح وصیت کرتا ہوں جس طرح انہوں نے اپنے بیٹے اور سیدنا یعقوب علیہ السلام کو وصیت کی۔

﴿يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾ (البقرۃ:132)

"ہمارے بچو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس دین کو پسند فرمالیا، خبردار! تم مسلمان ہی مرنا۔"

پھر تہائی مال یا اس سے کم کی جو چاہے وصیت کرے یا مال معین کی وصیت کرے مگر ثلث مال سے زائد نہ ہو۔ اور پھر مصارف شرعیہ یعنی جہاں خرچ کرنا ہے اسے بیان کرے اور اس کام پر کسی وکیل کا بھی اس میں ذکر کرے۔ (مجلۃ البحوث الإسلامیۃ: 33/111)

اور اس پر دو عادل گواہ بھی بنالے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ﴾

"اے مؤمنو! تمہارے آپس میں دو شخص کا گواہ ہونا مناسب ہے جبکہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے اور وصیت کرنے کا وقت ہو، وہ دو شخص ایسے ہوں کہ دیندار ہوں خواہ تم میں سے ہوں یا غیر لوگوں میں سے۔" (سورۃ المائدۃ:106)

وصیت لکھ کر کسی امانتدار کے پاس جمع کردے جو اس کی صحیح حفاظت کرسکے۔

وصیت کے شروط

وصیت کی تین شرطیں ہیں:

پہلی شرط: جس مال میں وصیت کی جارہی ہے وہ حلال ہو ورنہ وصیت صحیح نہیں ہوگی۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «إنَّ اللهَ طيِّبٌ لا يقبلُ إلا طيِّبًا»

"بے شک اللہ پاک ہے اور پاک چیزوں کو ہی قبول کرتا ہے۔" (صحیح مسلم:1015)

دوسری شرط: وصیت تہائی مال یا اس سے کم ہو، اس سے زائد کی وصیت صحیح نہیں الا یہ کہ ورثاء کی اجازت ہو۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

عن ابنِ عباسٍ . قال : لو أنَّ الناسَ غضُّوا من الثلثِ إلى الربُعِ ، فإنَّ رسولَ اللهِ ﷺ قال: الثلثُ. والثلثُ كثيرٌ.

"سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا: کاش لوگ تہائی سے کم کرکے چوتھائی کی وصیت کریں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: تہائی (تک کی وصیت کرو)، اور تہائی بھی زیادہ ہے۔" (صحیح مسلم:1629)

تیسری شرط: وصیت وارث کے علاوہ کسی دوسرے فرد کے لئے ہو کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«إنَّ اللهَ قد أعطى كلَّ ذي حقٍّ حقَّهُ ألا لا وصيَّةَ لوارثٍ» (صحیح ابن ماجہ:2211)

"اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے، لہٰذا وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں۔"

وصیت کی اقسام

وصیت دو چیزوں سے متعلق ہوتی ہے، ایک مال سے متعلق اور دوسری اعمال سے متعلق۔

مال سے متعلق ایک وصیت تو یہ ہے کہ آدمی کے اوپر لوگوں کے حقوق ہوں اس کی وصیت کرے مثلاً قرض، امانت وغیرہ۔ مال سے متعلق دوسری وصیت عام ہے وہ کسی غیر وارث کو دینے کے لئے تہائی مال یا اس سے کم کی وصیت کرنا ہے مثلاً بیٹے کی موجودگی میں بھائی کو کچھ مال کی وصیت کرنا۔

اعمال سے متعلق ایک وصیت مال کے ساتھ معلق ہے یعنی وصیت کرنے والا اپنی وفات کے بعد اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کی وصیت کرجائے مثلاً مسجد بنانے، یتیم خانہ تعمیر کرنے، جہاد میں پیسہ لگانے، غیر متعین مسکین وفقراء میں متعین مال تقسیم کرنے کی وصیت کرنا۔ اعمال سے متعلق ایک دوسری وصیت بغیر مال کے ہے، وہ اس طرح کہ وصیت کرنے والا اپنی اولاد، اعزاء واقرباء کو نماز کی وصیت، تقوی کی وصیت، شرک سے بچنے کی وصیت اور دیگر اعمال صالحہ کی وصیت کرے اور یہ عظیم وصیت ہے۔

سب سے عظیم وصیت

سب سے عظیم وصیت اللہ کی عبادت کی وصیت کرنا، اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے ڈرانا، آپس میں صلح وصفائی سے زندگی گزارنا، نماز کی پابندی کرتے رہنا، زکوۃ ادا کرنا، مسکینوں کی دیکھ ریکھ کرنا، سنت کے مطابق زندگی گزارنا، بدعات وخرافات سے بچنا، ایمان اور صراط مستقیم پر گامزن رہنا، حق اور صبر کی تلقین کرنا وغیرہ۔ یہ ایسے اعمال ہیں جن کی وصیت کرنے سے وصیت کرنے والے کو ہمیشہ ثواب ملتا رہے گا اور اس کے بعد لوگ نیکی وبھلائی کی راہ پر چلتے رہیں گے، دنیا بھی اچھی رہے اور آخرت میں بھی بھلا ہوگا۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللَّهَ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا حَمِيدًا﴾ (سورۃ النساء:131)

"واقعی ہم نے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے تھے اور تم کو بھی یہی حکم کیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر تم کفر کرو تو یاد رکھو کہ اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بہت بے نیاز اور تعریف کیا گیا ہے۔"

اور اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾

"اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اسکی ماں نے اسے تکلیف جھیل کر پیٹ میں رکھا اور تکلیف برداشت کرکے اسے جنا۔" (سورۃ الاحقاف:15)

یہاں اللہ کی وصیت بندوں کو حکم دینا ہے۔ اور قرآن میں سیدنا عیسی علیہ السلام کا کلام ہے جب وہ ماں کی گود میں ہی تھے تو تکلم کئے تھے۔

﴿وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا﴾

"اور اس نے مجھے بابرکت کیا جہاں بھی میں ہوں، اور اس نے مجھے نماز اور زکوۃ کا حکم دیا ہے جب تک بھی میں زندہ رہوں۔" (سورۃ مریم:31)

اسی طرح سیدنا لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

﴿وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾

"اور جب کہ لقمان نے وعظ کرتے ہوئے اپنے لڑکے سے فرمایا کہ میرے پیارے بچے! اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا بے شک شرک بھاری ظلم ہے۔"

(سورۃ لقمان:13)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا یعقوب علیہ السلام کی وصیت کا قرآن میں اس طور پر ذکر ہے:

﴿وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَابَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ * أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾ (سورۃ البقرۃ: 132-133)

"اس کی وصیت ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو کی، کہ ہمارے بچو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس دین کو پسند فرمالیا، خبردار! تم مسلمان ہی مرنا۔ کیا حضرت یعقوب علیہ السلام کے انتقال کے وقت تم موجود تھے؟ جب انہوں نے اپنی اولاد کو کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟ توسب نے جواب دیا کہ آپ کے معبود کی اور آپ کے آباؤ اجداد ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) اور اسحاق علیہ السلام کے معبود کی جو معبود ایک ہی ہے اور ہم اُسی کے فرمانبردار رہیں گے۔

نبی ﷺ نے بھی اپنی امت کیلئے بہت ساری نصیحتیں اور بہت ساری وصیتیں چھوڑی ہیں، آپ نے زندگی کے آخری لمحات میں قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے منع کیا ہے اور بار بار منع کیا، غرغرہ کی حالت میں بار بار نماز کی وصیت کی، اے کاش! امت مسلمہ نبی ﷺ کی آخری وصیت کا نفاذ کرتی۔ آپ ﷺ کی اہم وصیت میں سے یہ ہے کہ آپ نے امت کو کتاب اللہ پر عمل کرنے کی وصیت کی۔ سیدنا طلحہ بن مصرف بیان کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا:

هل كان النبيُّ ﷺ أَوْصى؟ فقال: لا. فقلتُ: كيف كُتِبَ على الناسِ الوصيةُ، أو أُمِروا بالوصيةِ ؟ قال: أَوْصى بكتابِ اللهِ (صحیح بخاری:2740)

"رسول اللہ ﷺ نے کوئی وصیت کی تھی؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ اس پر میں نے پوچھا کہ پھر وصیت کس طرح لوگوں پر فرض ہوئی؟ یا (راوی نے اس طرح بیان کیا) کہ لوگوں کو وصیت کا حکم کیوں کردیا گیا؟ انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو کتاب اللہ پر عمل کرنے کی وصیت کی تھی۔"

آج مسلمانوں کی اکثریت شرک وبدعت میں مبتلا ہے، اگر لوگ قبروں پہ مزار بنانے اور اس پر میلہ ٹھیلہ بنانے سے باز آجائیں اور عمل کرنے کے لئے کتاب اللہ کو دستور بنالیں تو پھر کبھی کوئی مسلمان ہرگز ہرگز گمراہ نہیں ہوسکتا جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تم کتاب اللہ اور میری سنت کو پکڑلو تو کبھی گمراہ نہیں ہوسکتے۔

وصیت میں تبدیلی یا منسوخی

کسی وجہ سے وصیت کرنے والا وصیت بدلنا چاہے یا اسے منسوخ کرنا چاہے تو اس کے اختیار میں ہے کہ وہ وصیت میں اپنی مرضی سے ردوبدل کرسکے یا اسے منسوخ کرسکے تاہم اس میں عدل کار فرما ہو۔

وصیت کا نفاذ

اگر وصیت کی شرطیں پائی جاتی ہیں اور اس میں کوئی شرعی مخالفت نہیں تو میت کی وفات کے بعد اس کے ورثاء پر وصیت کا نفاذ واجب ہے جو اس میں کوتاہی کرے یا وصیت کو بدلے یا چھپائے تو وہ بڑا گنہگار ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾

"پھر جو شخص اسے (وصیت کو) سننے کے بعد بدل دے تو اس کا گناہ بدلنے والے پر ہی ہوگا، واقعی اللہ تعالی سننے والا اور جاننے والا ہے۔" (سورۃ البقرۃ:181)

اس آیت کے بعد اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿فَمَنْ خَافَ مِن مُّوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾(سورۃ البقرۃ:182)

"ہاں جو شخص وصیت کرنے والے کی جانبداری یا گناہ کی وصیت سے ڈرے پس وہ ان میں آپس میں اصلاح کرادے تو اس پر گناہ نہیں، اللہ تعالی بخشنے والا مہربان ہے۔"

☆☆☆

نجات تین چیزوں میں

نجات تین چیزوں میں ہے:

1۔ اکل حلال

2۔ فرائض کی ادائیگی

3۔ اور نبی ﷺ کی پیروی۔

(سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ)

تیرھویں حدیث:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: رَقِيْتُ يَوْمًا عَلَى بَيْتِ حَفْصَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ، قَالَ: «يَقْضِي حَاجَتَهُ مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ، مُسْتَدْبِرَ الْكَعْبَةِ» (رواہ البخاري، کتاب الوضوء، باب التبرز في البیوت، برقم 148، و صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب الاستطابۃ، برقم:266)

حدیث کا سلیس ترجمہ

"سیدنا عبد اللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک دن سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا یعنی اپنی بہن کے مکان پر چڑھا، میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ شام کی طرف منہ کئے اور کعبہ کی جانب پیٹھ کئے قضائے حاجت کر رہے ہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

مفرداتُ الحدیث

1۔رَقِيْتُ: میں چڑھا

2۔مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ: سرزمین شام کی طرف رخ کر کے۔

3۔ مُسْتَدْبِرَ الْكَعْبَةِ: کعبہ کی جانب پیٹھ کئے ہوئے۔

مفہوم الحدیث

سیدنا عبد اللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں ایک روز اپنی بہن ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر آیا اور مکان کی چھت پر چڑھ گیا، میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ سرزمین شام کی طرف منہ کئے اور کعبہ کی جانب پیٹھ کئے ہوئے قضائے حاجت کر رہے تھے۔ قضائے حاجت کرتے وقت قبلہ کی جانب منہ کرنا یا پیٹھ کر کے بیٹھنے کے سلسلے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ، امام مجاہد، امام نخعی اور امام ثوری رحمۃ اللہ علیہم تو قضائے حاجت کرتے وقت قبلے کی جانب منہ یا پیٹھ کرنے کو چاہے کھلی فضا میں ہو یا عمارت کے اندر، ہر طور پر ہر صورت حرام سمجھتے ہیں۔ سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، امام ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ، امام داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ، سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے قضائے حاجت کے وقت استقبال واستدبار قبلہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔

امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام شعبی اور امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہم کھلی فضاء میں قضائے حاجت کے وقت استقبال و استدبار قبلہ کو حرام قرار دیتے ہیں، البتہ اگر قضائے حاجت کسی عمارت میں ہو تو قبلہ رخ ہو کر یا قبلہ کی جانب پیٹھ پھیر کر بیٹھنا جائز ہے۔

سابقہ دونوں حدیثوں میں یہ ایک بہترین تطبیق ہے اور یہی راجح ہے، البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ عمارت میں بھی بول و براز کے وقت منہ یا پیٹھ کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1. بہنوں کے گھر جانا اور وہاں بے تکلف ہونا۔ ہمارے پاک و ہند میں بعض لوگ بیٹی یا بہن کے گھر جانا اور وہاں سے کچھ کھانے پینے کو معیوب سمجھتے ہیں حالانکہ شریعت میں ایسی کوئی بات نہیں بلکہ معروف طریقے سے کھانے پینے اور رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
2. گھروں کے اندر یا چھت پر جہاں مناسب ہو بیت الخلاء بنانے کا جواز۔
3. گھر میں بھی بیت الخلاء کا اتنا دور ہونے یا ساؤنڈ پروف ہونے اور باپردہ ہونے کا استحباب، جہاں تک گھر والوں کی آواز یا بیت الخلاء سے قضاء حاجت کرتے وقت گھر والوں کو آواز نہ پہنچے۔
4. قضاء حاجت کے وقت دوسروں سے الگ ہو کر کسی اوٹ وغیرہ کے پیچھے بیٹھنا اسلامی تعلیمات میں سے ہے۔
5. عمارت کے اندر قضاء حاجت کرتے وقت کعبہ کی طرف پیٹھ کرنے میں شرعا کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن ادب واحترام اور احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے احتراز بہتر ہے۔ کیونکہ منع کی احادیث صحیح ہیں اور عام ہیں ممکن ہے کہ یہ خاصہ رسول اللہ ﷺ کا ہو۔ اس لیے قضاء حاجت کے وقت منہ یا پیٹھ قبلہ رخ نہ کرنا افضل اور احوط ہے۔
6. قضائے حاجت کے وقت بیت المقدس سمیت کسی بھی دوسری جانب رخ کر کے بیٹھنے میں شرعا کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم

چودھویں حدیث:

عن أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ، فَأَحْمِلُ أَنَا، وَغُلَامٌ نَحْوِي، إِدَاوَةً مِنْ مَاءٍ، وَعَنَزَةً فَيَسْتَنْجِي بِالْمَاءِ.

اَلْعَنَزَةُ : اَلْـحَرْبَةُ الصَّغِيْرَةُ

(رواہ البخاري، کتاب الوضوء، باب حمل العنزۃ مع الماء في الاستنجاء، برقم 152، ومسلم، کتاب الطھارۃ، باب الاستنجاء بالماء من التبرز، برقم 271)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو میں اور میرے جیسا ایک دوسرا لڑکا پانی کا برتن اور چھوٹی برچھی اٹھائے ہوئے ہوتے آپ پانی سے استنجاء کرتے۔ اَلْعَنَزَۃُ سے مراد چھوٹی برچھی یا چھوٹا نیزہ ہے۔(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

مفردات الحدیث

1۔اَلْخَلَاءَ: بیت الخلا

2۔أَحْمِلُ: میں اٹھاتا۔

3۔إِدَاوَۃً: برتن

4۔ عَنَزَۃُ: چھوٹی برچھی۔

مفہوم الحدیث

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو میں اور مجھ جیسا ایک اور نوجوان پانی اور پردے کا اہتمام کرتے ۔ استنجاء کرنے کے لیے پانی کا برتن اور پردہ تاننے کے لئے برچھی سے کام لیا جاتا۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1. صرف پانی سے استنجاء کرنا بھی درست ہے، اسی طرح صرف مٹی وغیرہ کے ڈھیلوں سے اور مٹی وغیرہ کے ڈھیلوں اور پانی دونوں کے ساتھ استنجاء کرنا درست ہے۔ صرف مٹی وغیرہ کے ڈھیلوں سے استنجاء کرنے کی صورت میں کم از کم تین ڈھیلے استعمال کرنا ضروری ہیں۔ اصل مقصود اچھی طرح صفائی ہے۔
2. ہر مسلمان کو قضائے حاجت کرنے سے پہلے صفائی کے لیے اشیاء مثلاً پانی، ڈھیلے یا ٹائلٹ پیپر زوغیرہ کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔
3. قضائے حاجت کرتے وقت پردے کا اہتمام کرنا بھی ضروری ہے تاکہ کوئی اسے برہنہ حالت میں دیکھ نہ سکے۔ عمداً کسی کو برہنہ دیکھنا حرام ہے۔اس میں دوسرے کا احترام اور اپنے لیے شرم و حیا کا پہلو ہے۔ اور یہ اسلام کی خوبیوں میں سے ایک خوبی ہے۔
4. چھوٹے بچوں سے ایسے مواقع پر پانی اور پردے کا اہتمام کرنے کے لیے خدمت لینا جائز ہے۔ اسی طرح ضرورت کے تحت ایک سے زائد خادم رکھے جاسکتے ہیں۔
5. بعض دفعہ لفظ غلام کا اطلاق بالغ اور آزاد آدمی پر بھی ہوتاہے۔ واللہ اعلم

☆☆☆

فضائل سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہل سنت

امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام اسماعیل بن اسحاق القاضی رحمۃ اللہ علیہ ، دونوں کا قول ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اچھی سندوں کے ساتھ جس قدر فضائل بیان ہوئے ہیں؛ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے اتنے فضائل منقول نہیں ہیں! یہی بات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہی ہے۔

(محدث ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ، الاستیعاب)

اسلام کی عمارت گرادینے والے امور

سیدنا زیاد بن حُدَیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ اسلام کی عمارت کو ڈھانے والے امور کون ہیں؟ میں نے عرض کیا: جی میں نہیں جانتا، فرمایا: ” عالم کی لغزش؛ منافق کا قرآن کے ذریعے جھگڑنا؛ اور گم راہ لیڈروں اور پیشواؤں کے فیصلے، وہ امور ہیں جو قصرِ اسلام کو زمین بوس کردیتے ہیں۔“(سنن دارمی:220)

دل سخت ہونے کا ایک سبب

ڈاکٹر شیخ سعود الشریم حفظہ اللہ کا قول ہے کہ جو ہر وقت دوسروں کی عیب جوئی اور ان کا ٹھٹھا اڑانے میں مشغول رہتا ہے، وہ ضرور اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے، نتیجتاً اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور پھر وعظ و نصیحت سے بھی نرم نہیں ہوتا۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:”تم نے ان (مومنوں) کا مذاق بنالیا؛ یہاں تک کہ ان کی ضد نے تمہیں یہ بھی بھلادیا کہ میں بھی کوئی ہوں۔“

(سورۃ المومنون:110)

یہ ستمبر 1977ء کی بات ہے جب مجھے دار الافتاء (ریاض) کی جانب سے یہ ہدایت موصول ہوئی کہ میں سعودیہ کے ایک مقتدر شیخ جناب عبد العزیز المسند کے ساتھ جنوبی امریکہ کے ایک سفر میں ان کا ہمرکاب رہوں۔ مقصد تھا کہ برازیل میں چند دن قیام ہو سکے تا کہ وہاں کے دینی و دعوتی حالات اور اسلامی مراکز کا تفصیلی جائزہ لیا جا سکے اور وہاں پہنچنے سے قبل پورٹ آف سپین (ٹرینیڈاڈ) میں رابطہ عالم اسلامی کی ایک کانفرنس میں بھی شرکت کی جا سکے۔

وقت اتنا کم تھا کہ میں صرف ٹرینیڈاڈ کا ویزا لے سکا۔ برازیل کے لیے سوچا کہ ٹرینیڈاڈ سے حاصل کر سکوں گا۔

سفر سے قبل ایک خواب میں دیکھتا ہوں کہ فضا میں ایک رسّی کو تھامے ہوئے پرواز کر رہا ہوں اور پھر کیا دیکھتا ہوں کہ یہ رسّی نیچے کی طرف سرکتی چلی جا رہی ہے یہاں تک کہ میں نے اپنے قدموں سے زمین کو چھو لیا۔

دل سے آواز آئی: یا الٰہی اس خواب کی تعبیر اچھی کیجیو!

اور اس دعا کے ساتھ 24 ستمبر 1977ء کو شیخ عبد العزیز المسند کے ساتھ ہم پان امریکن کی ایک پرواز میں براہ نیویارک عازم سفر ہوئے۔

ساتھ گھنٹے کی اُڑان کے بعد ہم نیویارک میں تھے، وہاں ایک مختصر وقفے کے بعد دوسری مرتبہ پان امریکن کی ایک دوسری پرواز پکڑی اور پھر ساڑھے چار گھنٹے بعد ہم پورٹ آف اسپین کے ائرپورٹ پر اتر چکے تھے۔ سفر چونکہ مشرق سے مغرب کی طرف تھا، اس لیے سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے ہم اپنے مستقر پر پہنچ چکے تھے۔

ہلٹن ہوٹل کے صدر دروازے تک پہنچنے کے لیے ٹیکسی ڈرائیور ہمیں ایک پہاڑی کی چوٹی تک لے گیا۔ یہ ہوٹل 'اَپ سائٹڈ ڈاؤن' سے عبارت تھا اور وہ اس طرح کہ ہم استقبالیہ سے لفٹ میں سوار ہو کر نیچے کی منزلوں میں اپنی مطلوبہ منزل کو تلاش کر رہے تھے۔

کانفرنس کا آغاز صبح سے ہو چکا تھا۔ ہم آخری اجلاس میں حاضر ہو سکے۔ شیخ علی الحرکان (سیکرٹری جنرل رابطہ) اور شیخ محمد ناصر العبودی (نائب سیکرٹری جنرل) سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

اگلے دن اتوار 25 ستمبر سے کانفرنس کی کارروائی میں بھرپور حصہ لیا۔ میرا نام مسجد اور فقہ کمیٹی میں تھا جس کے صدر وینزولا کے اسلامی مرکز کے امام عبد العزیز العنانی الازہری تھے اور مقرر (سیکرٹری) بھی وہیں کے ایک اور امام تھے۔ میں ان کے اور دوسرے ممبران کے درمیان ترجمانی کے فرائض انجام دیتا رہا۔

چند دوسرے معزز اراکین سے شناسائی ہوئی۔ ان میں ساؤ پاؤ (برازیل) میں رابطہ کے مبعوث گل محمد شاہ، جمیکا کے لندن نعیم خان، برازیل میں سعودیہ کے کلچرل اتاشی محمد ابو السمح، مجلۃ الدعوۃ (الریاض) کے عبد الرحمٰن الرویشد، جامعہ مدینہ کے پرانے شامی دوست احمد الحایری (برازیل سے)، پورٹ آف اسپین کے ایک قدیم باسی زبر بخش اور کئی دوسرے حضرات شامل تھے۔

کانفرنس کی انتظامیہ کے سید فاروق علی مولود منانے کے بارے میں بڑے پُرجوش نظر آئے۔ گویا تعارف کا آغاز ہی ایک بھڑکیلے انداز میں ہو گیا۔

سوموار 26 ستمبر کو میں ابو السمح کی معیت میں برازیل کے سفارت خانہ پہنچا اور ویزے کے لیے درخواست دی۔ کہا کہ دوپہر کو جواب دیں گے اور پھر جب ان سے رابطہ کیا تو انہوں نے معذرت چاہی۔ کہا کہ ہم یہاں سے تو ویزا نہیں دے سکتے البتہ وزارت خارجہ کے توسط سے برازیل تمہاری درخواست ارسال کیے دیتے ہیں اور جواب آنے تک تمہیں انتظار کرنا ہو گا۔

کانفرنس کے آخری اجلاس میں جنوبی امریکہ کے لیے ایک سیکرٹریٹ کے قیام کے بارے میں بحث و مباحثہ کیا گیا جن میں ہمارے پاکستانی نژاد ایک مبعوث شفیق الرحمٰن، احمد محایری اور ابو الفارس شامل تھے۔ برٹش گیانا۔ ڈچ گیانا (یا سورینام) اور ارجنٹائن کی نمائندگی پر بحث میں گرما گرمی رہی لیکن بالآخر کچھ کو نیابت کے نام سے اور کچھ کو اسسٹنٹ کی حیثیت سے نمائندگی دے کر کارروائی اختتام پذیر ہوئی۔

منگل 27 ستمبر کو شیخ عبد العزیز المسند اور شیخ محمد ناصر العبودی ورجن آئی لینڈ (مجموعہ جزائر ویسٹ انڈیز) پرواز کر گئے اور میں ویزے کے انتظار میں پورٹ آف اسپین کا چند اور دنوں کے لیے اسیر ہو کر رہ گیا۔

رابطہ کی آخری مصروفیات میں ایک پریس کانفرنس شامل تھی جس میں مجاہد صواف اور رابطہ کے سید صفوت پیش پیش رہے۔

اگلے دن (بدھ، 28 ستمبر) کو برازیل کے ممکنہ سفر کی تفصیلات طے کرتا رہا۔ معلوم ہوا کہ 'ریوڈی جنزو' (برازیل) تک پہنچنے کے لیے 'کراکس' (وینزویلا)

سے گزرنا لازم ہے لیکن وہاں ایئرپورٹ پر 2 گھنٹے سے زائد قیام ہو تو بھی ویزا کا حصول ناگزیر ہے، چنانچہ وہاں کی سفارت سے بھی رجوع کیا لیکن ان کا جواب بھی برازیل سے مختلف نہ تھا، البتہ واپسی کے سفر میں امریکہ کے مختصر قیام کے لیے پاکستانی پاسپورٹ پر ویزا حاصل کرنے میں قطعاً کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ پورٹ آف اسپین میں میرا قیام مزید 10 دن کی طوالت اختیار کر گیا اور اس امید میں کہ شاید برازیل سے کوئی مثبت اطلاع موصول ہو جائے۔

ان 10 دنوں میں متعدد مساجد میں جانا ہوا۔ کئی اسلامی مراکز سے تعارف حاصل ہوا۔ کئی جگہ دروس اور خطابات کا موقع حاصل ہوتا رہا، تفصیل کی ضرورت ہے نہ گنجائش، چند مصروفیتوں کا اختصار کے ساتھ ذکر کیے دیتا ہوں:

زبر بخش کی زیر صدارت قائم 'تعلیمی وقف' کے ایک اجلاس میں گریناڈا اور جمیکا کے نمائندوں سے ملاقات رہی۔

زبر بخش نے شہر کے مضافات میں اپنے ایک نئے گھر میں میری اقامت کا بندوبست کیا جسے وہ چند دنوں کے بعد کرائے پر چڑھانے والے تھے۔

برازیل پہنچنے کے لیے ایک دوسرا روٹ بھی ڈھونڈ ڈالا۔ یہ ایک ہفتہ وار پرواز تھی جو براہ سورینام برازیل کے ایک شہر BELEM تک جاتی تھی اور پھر وہاں سے 'برازیلیا' یا 'ریوڈی جنیرو' پہنچا جاسکتا تھا۔

سینٹ جوزف کی مسجد میں جانا ہوا۔ کریبین ممالک (ویسٹ انڈیز) میں یہ ایک خوبصورت مسجد ہے جس کی دیواریں اور گنبد مسجد ہی کے امام سید حفیظ کی خطاطی سے مزین ہیں۔

یہاں ایک نماز کی امامت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ خواتین مردوں سے کچھ فاصلے پر اپنی صف بندی کرتی ہیں۔ درمیان میں کوئی رکاوٹ نہیں کھڑی کی گئی۔ یہ بات کچھ لوگوں کے لیے اچنبھے کی باعث ہو گی لیکن حرم مکی میں یہ منظر بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ خطبہ جمعہ (30 ستمبر) مسجد میں دینے کی توفیق ہوئی۔

ایک اور مہربان سید زاہد بشیر سے آٹھ میل دور Tacarigua نامی بستی میں اپنے وسیع و عریض مکان میں لے گئے جہاں واپسی تک قیام رہا۔ یہ گھر پھلدار درختوں سے مالا مال تھا۔ ان کے چاروں بچوں سے کافی انسیت حاصل رہی۔

مسجد نور الاسلام، وقف مرکز اسلامی اور مقامی مسجد میں خطابات کا موقع ملتا رہا۔ ایک تقریر کے بعد ایک صاحب ان مسائل میں الجھے نظر آئے کہ آیا اللہ کے رسول ﷺ کی معراج صرف روح کے ساتھ ہوئی تھی یا جسم کے ساتھ تھی؟ اور آیا مسیح علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں۔

دیکھا کہ اس علاقے میں بھی قادیانیت اپنے برگ و بار پھیلانے کی پوری کوشش کر رہی ہے اور یہ سوالات اس فکر کی نمائندگی کرتے نظر آرہے تھے۔

بدھ (5 اکتوبر) جامع مسجد کے قریب ہی صدر مملکت ٹرینیڈاڈ کا دفتر تھا، یہاں اس وقت کے قائم مقام صدر ڈاکٹر عبد الواحد سے مختصر سی ملاقات رہی۔ اس سے قبل بروز جمعہ بھی ان سے ایک ملاقات ہو چکی تھی۔

عجائب گھر دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ابھی تاسیس کے ابتدائی مراحل میں تھا۔ چند ایسے بم نمائش کے لیے رکھے گئے تھے جو اٹھارویں صدی کے آخر میں سمندر سے نکالے گئے تھے کہ جنہیں اسپینی حملہ آوروں نے استعمال کیا تھا۔ ایسی ہی چند چیزیں میں ممباسا کے قلعہ مسیح میں دیکھ چکا تھا جہاں ایک زمانہ میں پرتگالی حملہ آور قابض رہے تھے۔ 'جیارلی' نامی علاقے کی مسجد میں خطاب کے بعد جن سوالات کا سامنا کرنا پڑا ان میں جرابوں کے اوپر مسح کرنا، اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، بعض مچھلیوں کی حلت و حرمت اور بنک کے سود کا جواز یا عدم جواز شامل تھے۔

میں اپنے میزبان سید زاہد کے مکان سے قریب ترین مسجد میں نماز فجر کے بعد ایک مختصر سے درس کا اہتمام کرتا رہا۔ جمعہ کے دن نماز فجر میں سنت نبوی کی احیاء کی نیت سے سورۃ السجدہ اور سورۃ الدہر کی تلاوت بھی کی۔

چونکہ برازیل کے ویزے کی امید دم توڑ چکی تھی اس لیے میں نے براہ امریکہ واپسی کی بکنگ کروالی تھی اور یوں جمعہ (7 اکتوبر) کو BWIA کے جہاز سے پورٹ آف اسپین کو الوداع کیا۔ میرے مہربان حضرات میں سے زاہد، زبر بخش، زید حسین اور ایک دوسرے صاحب ائرپورٹ پر الوداعی ملاقات کے لیے موجود تھے۔

ایک گھنٹہ کی پرواز کے بعد ہم ایک سابق برطانوی کالونی (Antigua) کے ائرپورٹ پر اترے جہاں ایک مختصر وقفے کے بعد نیویارک کا رخ کیا۔ یہاں لندن واپسی سے قبل تین دن قیام رہا۔ اگلی حکایت میں اس کا ذکر آرہا ہے۔

لندن سے روانگی کے وقت جو خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر سامنے آچکی تھی۔

فضا میں اڑنا راز داران رؤیا کے نزدیک انسان کی خواہشات کا غماز ہوتا ہے، میری خواہش تھی کہ میں برازیل پہنچوں لیکن یہ اللہ کو منظور نہ تھا اور یوں میں اپنی خواہش کی تکمیل سے قبل ہی ٹرینیڈاڈ اتر چکا تھا اور باوجود خواہش بسیار آگے جانے کی سبیل پیدا نہ ہو سکی بلکہ واپسی کا سفر اختیار کرنا پڑا۔

الحمد للہ کہ آنے جانے کا یہ سفر بخیر و عافیت گزرا۔

تقدیر الٰہی اگلے سال ہی امریکہ کا ایک اور سفر مقدر تھا اس لیے امریکہ یاترا کی یادوں کو کسی دوسری صحبت پر اٹھا رکھتا ہوں۔ یار زندہ صحبت باقی۔

4۔ نیویارک کا پہلا سفر

7 اکتوبر 1977ء کی دوپہر میں ٹرینیڈاڈ سے نیویارک پہنچا۔ اہلیہ کی عمّ زاد بہن ڈاکٹر عطیہ خان اور ان کے شوہر جاوید ایک سال قبل پاکستان سے یہاں منتقل ہو چکے تھے وہی تین دن کے لیے میرے میزبان ٹھہرے۔

ڈاکٹر عطیہ خان اپنی پروفیشنل ذمہ داریوں کو نبھاتی رہیں اور جاوید نے اس شہر کی بھرپور سیر کرادی۔

ورلڈ ٹریڈ سنٹر (مرکز عالمی تجارت) پہنچے جو امریکہ کی بلند ترین عمارت شمار ہوتی ہے، (یعنی ستمبر 2001ء کے حادثہ سے قبل)۔ 110 منزلوں پر مشتمل اس عمارت کی 107 ویں منزل پر ایک تیز ترین لفٹ ایک منٹ سے کم وقفے میں پہنچا دیتی ہے۔ اترے چڑھتے وقت کانوں میں ویسی ہی سنسناہٹ محسوس ہوتی ہے جو جہاز کی اڑان یا اتران کے وقت تجربے میں آتی رہی ہے۔ یہاں سے شہر کا حدود اربعہ نظر کی گرفت میں آ جاتا ہے۔ سمندر میں وہ جزیرہ بھی جس میں 'مجسمہ آزادی' نصب ہے۔ سامنے ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ کی عمارت بھی جو ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تعمیر سے قبل اپنی اونچائی پر ناز کرتی تھی لیکن اب اپنا سر خم کرنے پر مجبور تھی۔

نیویارک شہر کا علاقہ 'مین ھٹن' کہلاتا ہے اور یہاں داخل ہونے کے لیے دریائے ھڈسن کا پل پار کرنا پڑتا ہے جو جارج واشنگٹن کے نام سے موسوم ہے۔

شہر کی بیشتر سڑکیں فراخ ہیں۔ مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک ناک کی سیدھ چلی آتی ہیں۔ وسط شہر میں بلند و بالا بلڈنگوں پر مشتمل بارونق علاقے ہیں تو انہی سڑکوں کے آخر کناروں پر 'ھارلم' جیسی بے رونق بستی بھی آباد ہے، جہاں کے مکین اس دور کی یاد دلاتے ہیں جب مغربی افریقہ سے غلاموں کی ٹولیاں در ٹولیاں بحری جہازوں میں پابند سلاسل صورت میں امریکہ لائی جاتی تھیں اور پھر ان سے نہایت بے دردی کے ساتھ جبری مشقت کروائی جاتی تھی۔ اب انہی لوگوں کی نسل ان علاقوں کو آباد کیے ہوئے ہے۔ ان میں کالے مسلمان بھی شامل ہیں جن کی اپنی مساجد ہیں اور جو اپنی بے بضاعتی اور تنگدستی کے باوجود اسلام کا پرچم بلند کیے ہوئے ہیں۔ یہاں اکثر شاہراہیں نام سے نہیں بلکہ نمبر سے پہچانی جاتی ہیں۔

اگلے دن فسٹ ایونیو یعنی شارع نمبر ایک میں ہم نے اقوام متحدہ (UNO) کے بلند و بالا صدر فتر کی ایک سرکاری گائیڈ کے ہمراہ زیارت کی۔ پھر شارع نمبر 44 میں رابطہ عالم اسلامی کے صدر دفتر کو بھی تلاش کر پائے جہاں اتفاقاً امریکہ میں دعوت و تربیت سے متعلق چند اساطین اساتذہ سے ملاقات ہوگئی جن میں میرے ایام جامعہ مدنیہ کے ایک پرانے ہندوستانی ساتھی ڈاکٹر مزمل صدیقی اور پھر مصر کے ڈاکٹر احمد صقر اور چند دوسرے پاکستانی و ہندی حضرات شامل تھے۔

اپنی آمد کے تیسرے دن جائے قیام کے قریب ہی ایک مقامی اسٹیشن سے نیویارک کے گرینڈ سنٹرل اسٹیشن کا ٹکٹ لے کر 30 میل کی مسافت آدھے گھنٹے میں طے کرتے ہوئے دوبارہ شہر پہنچا۔ مقصد تھا کہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس کی سماعت کا جو میرے لیے نہ صرف قابل دید بلکہ قابل شنید بھی تھی۔

یو این او کے اس عظیم ہال میں دنیا بھر کے 149 ممالک کے نمائندوں کی نشستیں ترتیب دی گئی تھیں جن میں دو نئے ممالک کے مندوبین بھی شامل تھے جنہیں اقوام متحدہ کی تازہ تازہ رکنیت عطا کی گئی تھی اور وہ تھے جیبوٹی اور ویٹ نام۔

چھ مندوبین کی کرسیاں ایک ایک ڈیسک کے ساتھ بچھائی گئی تھیں جن میں ہر تین کرسیاں ایک ایک ملک کے لیے مختص تھیں اور تین مزید کرسیاں ان کے عقب میں۔

ہر اجلاس میں مندوبین کی نشستوں کی ترتیب کے لیے سیکرٹری جنرل قرعہ اندازی کرتے تھے، جس ملک کا نام نکل آتا اسے صف اول کے آغاز میں جگہ دی جاتی اور پھر اس سے متصل وہ ملک جس کا نام باعتبار حروف تہجی اس کے بعد آتا تھا۔

اس اجلاس میں صف اول کے لیے قطر کا نام قرعہ فال میں نکلا تھا۔ پاکستان کو صف آخر میں دیکھا اور معاً بعد پانامہ کے مندوب کی کرسی کو۔

میں نے یہ بھی نوٹ کیا کہ ہندوستان کا مندوب اپنی چندیا پر گاندھی کو ٹوپی سجائے ہوئے تھا اور جزائر القمر (Comoro) کا مندوب مشرقی افریقہ میں معروف منقش ٹوپی پہنے ہوئے جبکہ اکثر مندوبین سروں کے تاج سے محروم تھے۔

اجلاس کی صدارت یوگوسلاویہ کے سپرد تھی۔ صبح کے پہلے اجلاس میں روانڈا، روس، نیوزی لینڈ اور ملاوی کے مندوبین کی تقاریر سننے میں آئیں۔

اس اجلاس کے بعد دو ڈالر دے کر اس عظیم عمارت کے چند مخفی گوشوں کو دیکھنے کی ٹھانی، گائڈ کے فرائض انگریزی زبان سے شناسا ایک جاپانی خاتون نبھا رہی تھی۔ ہم نے سیکیورٹی کونسل کا ہال دیکھا جس کے عموماً پندرہ ممبر ہوتے ہیں جن میں وہ پانچ بنیادی ممبرز شامل ہیں جنہیں ویٹو کا حق حاصل ہے یعنی جمہوریت کے علمبردار چیمپیئن حضرات نے اپنی آستینوں میں وہ خنجر چھپا رکھا ہے جسے اس مزعومہ جمہوریت پر کاری وار لگانے کے لیے فوراً استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اکنامک کونسل کے ہال میں بھی داخل ہوئے اور پھر وہ تحفے اور یادگاریں بھی دیکھیں جو مختلف ممالک نے یو این او کی نذر کر رکھی تھیں۔ ایران کے منقش قالین، چمکتے شیشوں کے عقب میں چین کے پہاڑوں اور ان میں دوڑتی ریلوے کا خوش کن منظر، گھنٹہ گھر سے مزین جاپانی پگوڈا، روس کی طرف سے فضا میں اچھالا گیا سپیٹنک (Sputnic) کا تاروں سے نیا ماڈل اور یونان کی سوغات میں سے ایک برہنہ دیوتے کا مجسمہ نظر نواز تھے، ہال میں داخل ہوتے وقت ایک گرانڈیل نپڈولیم نظر آیا جو عرش سے فرش تک (یعنی

چھت سے زمین تک) کی فضا کو آباد کیے ہوئے ہے۔
دوپہر کے اجلاس میں حاضری کے لیے دوبارہ جنرل اسمبلی کا رخ کیا۔ یہاں گفت وشنید کا نہیں بلکہ حجت بازی کا ایک دنگل سجا تھا جس میں زامبیا، سنگاپور کے مندوبین نے ےکچھ دھیمے انداز میں اور ایتھوپیا (حبشہ) کے مندوب نے کچھ گھن گرج کے ساتھ صومالیہ کی خوب ٹھکائی کی کہ دونوں ملکوں کے درمیان رزم آرائی جاری تھی۔ مندوب نے اریٹریا کا قطعاً ذکر نہیں کیا جس پر حبشہ نے غاصبانہ قبضہ کر کے وہاں کی مسلم اکثریت آبادی کو اقلیت میں بدل دیا تھا۔ سننے کے لیے گیلری میں لوگوں کا ہجوم تھا جو اس کی ہر ادا پر تالیاں بجا کر داد دے رہے تھے۔ عرب اور پاکستانی مندوبین نے اپنی اپنی نشستوں کو خیر آباد کہہ کر اپنے احتجاج کو رجسٹر کرایا تھا۔ میں نے انہیں ہال کی راہداریوں میں کھڑے دیکھا۔

اسرائیل کے وزیر خارجہ موشے دایان کے خطاب کو یو ان او کے بارے میں ہمیشہ سنتا آیا تھا، آج اس میلے کو دیکھ کر خوب محظوظ ہوا اور یوں سرزمین امریکہ سے میرا اولین تعارف پورا ہوا لیکن تقدیر میں یہاں بار بار آنا لکھا تھا جس کی سرگزشت ان سطور کی زینت بنتی رہے گی۔ (جاری)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

چلا ہے تذکرہ عثمان کے کردار و سیرت کا
عجب انداز کا سیکھا تھا گر اس نے تجارت کا
متاع عجز دی اس کو خدا نے مال سے بڑھ کر
صحابہ سب ستارے ہیں، نشان رہ دکھاتے ہیں
زباں پر سب سے پہلے نام عثمان غنی آیا
خدا کی راہ میں اک بار بھی کیا کم فضیلت ہے
سعادت کم ہے کیا اک بار داماد نبیؐ ہونا
خریدا چاہ رومہ اور وقف عام کر ڈالا
جہاد بدر کا اس کو بدل حق نے دیا ایسے
نجابت کا اثر بھی تھا، حلیمی تھی، تدبر تھا
قصاص خون عثماں پر جو لی بیعت پیمبرؐ نے
مراکش سے سواد چین اس کا ہوا سایہ
خطاب اس کو دیا ہے جامع القرآں کا امت نے
خود اپنی جان تو دے دی، اجازت دی نہ لڑنے کی
تلاوت یوں تو ہر مؤمن ہی کرتا ہے محبت سے
نبیؐ کے دین کی خاطر گزاری زندگی اس نے
نچھاور جان کر دی جس نے اس کے نور کی خاطر

حیا دار و حلیم و نرم خو کا، جان عفت کا
کیا کرتا تھا سودا مال کے بدلے میں جنت کا
کبھی دل میں غرور آیا نہ اس کے مال و دولت کا
انہی میں وہ بھی اک روشن ستارہ ہے ہدایت کا
کسی نے بھی کیا جب تذکرہ جود و سخاوت کا
شرف عثمانؓ کو حاصل ہوا دو بار ہجرت کا
جہاں میں مستحق ٹھہرا وہ دو بار اس سعادت کا
ہوا حل مسئلہ طیبہ میں یوں پانی کی قلت کا
ملا اعزاز اسے بنت پیمبرؐ کی عیادت کا
کیا فتح مبیں میں کام عثماں نے سفارت کا
رکھا ہاتھ اپنے پر دستِ مبارک اس کی بیعت کا
کیا اونچا عمرؓ کے بعد یوں پرچم خلافت کا
کیا باضابطہ کام اس نے قرآں کی اشاعت کا
تھا اس کو پاس کتنا شہر پیغمبرؐ کی حرمت کا
نچھاور جان ہو جس میں مزہ ہے اس تلاوت کا
نبیؐ کے شہر میں رتبہ ملا اس کو شہادت کا
کہو عارف پتنگا تم اسے شمع رسالت کا

خواجہ محمد عارف، برمنگھم

رسول اقدس ﷺ یہ ارشاد سن کر مسکرائے اور ارشاد فرمایا: "حسان تم نے سچ کہا۔"

جب تاریخ انسانی کا حیرت انگیز واقعہ معراج کی صورت میں رونما ہوا تو رسول اقدس ﷺ نے شب معراج میں پیش آنے والے واقعات ومشاہدات کا تذکرہ صنادید قریش کے سامنے کیا تو وہ اپنی ہنسی پر قابو نہ پاسکے۔ ازراہ مذاق سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا: لو سن لو، اپنے پیشوا کا عجیب وغریب انکشاف۔ کہتا ہے کہ میں ایک ہی رات میں بیت المقدس، مسجد اقصیٰ اور پھر ساتوں آسمانوں کی سیر کر آیا ہوں۔ ابو بکر تم ان کی ہر بات کو سچ مانتے ہو۔ ہمیں بھی مجبور کرتے رہتے ہو کہ ہم ان پر ایمان لے آئیں۔ اب بتاؤ کیا یہ بات بھی سچ ہے؟ آپ نے پوچھا تم نے یہ بات کس سے سنی ہے؟ کہنے لگے، آپ کے پیر ومرشد سے ہم نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سنتے ہی برجستہ ارشاد فرمایا: "سردارانِ قریش میری بات کان کھول کر سن لو۔ اگر یہ بات میرے پیرومرشد ہادی برحق حضرت محمد ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی ہے تو میں صدق دل سے اس کی سچائی کو تسلیم کرتا ہوں۔ مجھے اس کے سچ ہونے میں ذرہ برابر بھی شک نہیں۔"

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ انتہائی رقیق القلب تھے۔ جب قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔ ان کی مخلصانہ دعوت پر لبیک کہتے ہوئے سیدنا عثمان بن عفان، سیدنا زبیر بن عوام، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف، سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا طلحہ بن عبد اللہ، سیدنا عثمان بن مظعون، سیدنا ابو عبیدہ بن جراح، سیدنا ابو سلمہ اور سیدنا خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہم جیسی جلیل القدر ہستیاں دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں۔ ایک دن رسول اقدس ﷺ نے شاعر اسلام سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ کیا تم نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی کوئی شعر کہا ہے؟ عرض کیا کیوں نہیں؟ سماعت فرمائیں:

إذا تذكّرت شجواً من أخي ثقةٍ
فاذكر أخاكَ أبا بكرٍ بما فَعَلا
خيرَ البريّةِ أتقاها وأعدلَها
إلّا النبيَّ وأوفاها بما حَمَلا
والثانيَ الصادقَ المحمودَ مَشهَدُهُ
وأوّلَ الناسِ منهم صدّقَ الرُسُلا

"جب تمہیں قابل اعتماد بھائی کا غم یاد آئے تو اپنے بھائی ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ان کے کارنامے کی بنا پر یاد کر لیا کرو۔ وہ نبی اقدس ﷺ کے بعد تمام مخلوق میں تقویٰ اور عدل کے اعتبار سے بہتر ہے۔ انہوں نے جو ذمے داری لی اسے پورا کر دکھایا۔ وہی ثانی اور آپ ﷺ کے بعد متصل ہیں۔ جن کی مشکلات میں موجودگی قابل قدر کارنامہ ہے۔ لوگوں میں وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی۔"

رسول اقدس ﷺ یہ اشعار سن کر مسکرائے اور ارشاد فرمایا:

"حسان تم نے سچ کہا۔ واقعی ابو بکر ایسے ہی ہیں جس کا اظہار تم نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔"

مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے مدینہ منورہ کے دو یتیم بچوں سہل اور سہیل سے جو زمین خریدی گئی تھی اس کی تمام قیمت بھی سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی جیب سے ادا کی۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جود وسخا کا اعتراف کرتے ہوئے رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«وما نفعني مالُ أحدٍ قطُّ ما نفعني مالُ أبي بكرٍ» (صحیح الجامع:5661)

"ابو بکر کے مال نے جو مجھے فائدہ دیا اتنا کسی اور کے مال نے مجھے فائدہ نہ دیا۔"

وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مفلسی اور تنگدستی کے دور میں جانی اور مالی قربانیاں پیش کیں۔ قرآن کریم میں ان کی عظمت، رفعت اور سربلندی کا تذکرہ ان نورانی الفاظ میں کیا ہے۔

﴿لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا﴾ (سورۃ الحدید:10)

"تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور اللہ کی راہ میں لڑے۔ ان لوگوں کے برابر وہ لوگ نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح کے بعد خرچ کیا اور لڑے۔"

اس آیت کریمہ میں جن جود وسخا کے پیکر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سرفہرست ہیں۔ رسول اقدس ﷺ نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے احسانات کا اعتراف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

« إِنَّهُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ أَحَدٌ أَمَنَّ عَلَيَّ فِي نَفْسِهِ وَمَالِهِ مِنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي قُحَافَةَ» (صحیح بخاری)

"بلاشبہ لوگوں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جس کا

جان ومال کے اعتبار سے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ مجھ پر کوئی احسان ہو۔"

لسانِ رسالت سے خراجِ تحسین کے یہ الفاظ صرف سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ادا کیے گئے ہیں۔ اس اعتبار سے وہ پوری امت میں ممتاز اور منفرد دکھائی دیتے ہیں۔ (حکمران صحابہ از محمود احمد غضنفر)

رسول اقدس ﷺ نے کھڑکی سے پردہ ہٹایا، مسکراتا ہوا چہرہ جھلملانے لگا!

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی آخری علالت و بیماری کے دنوں میں ارشاد فرمایا: ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! وہ بڑے نرم دل ہیں، وہ آپ کے مصلے پر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔ آپ ﷺ نے دوبارہ ارشاد فرمایا: جاؤ ابو بکر سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔ میں نے پھر سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اب آپ رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں عرض کریں۔ انہوں نے یہی عرض کیا کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بجائے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا کہہ دیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "جاؤ ابو بکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ تم یوسف کے ساتھی عورتوں کی مانند ہو۔ لہٰذا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اقدس ﷺ کی موجودگی میں لوگوں کو نماز پڑھائی۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

یہ حدیث بھی سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک دن سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ معمول کے مطابق نماز پڑھا رہے تھے۔ دوران جماعت رسول اقدس ﷺ تشریف لے آئے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹنے لگے۔ آپ ﷺ نے اشارے سے منع کر دیا اور خود ان کی دائیں طرف بیٹھ کر نماز ادا کی۔ (صحیح بخاری)

یہ حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ امت میں سب سے افضل تھے اور وہی خلیفہ رسول ﷺ ہونے کے حقدار تھے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نماز کے اقامت کہی گئی۔ رسول اقدس ﷺ نے کھڑکی سے پردہ ہٹایا، مسکراتا ہوا چہرہ جھلملانے لگا، ایسا دلکش و دلآویز منظر ہم نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ آپ ﷺ نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جماعت کرائیں۔ پھر پردہ لٹکا دیا، اس کے بعد وفات تک ہمیں آپ ﷺ کی امامت میں نماز پڑھنے کی سعادت نصیب نہ ہو سکی۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

اس حدیث سے بھی خلافت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے کیونکہ رسول اقدس ﷺ کی بیماری کے ایام میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی نماز لوگوں کو پڑھاتے رہے۔ (حکمران صحابہ از محمود احمد غضنفر)

آپ ﷺ اپنی لاڈلی بیٹی کے گھر گئے، بیٹے کو دیکھا، مسکرائے!

3 ہجری رمضان المبارک کی 15 تاریخ تھی، رسول اقدس ﷺ کو خبر ملی کہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے آنگن میں ایک پھول کھلا ہے۔ اس کی گود کو اللہ تعالیٰ نے ایک چاند سے بیٹے سے مزین کیا ہے، آپ یہ خبر سن کر بہت خوش ہوئے۔ اپنی لاڈلی بیٹی کے گھر گئے۔ بیٹے کو دیکھا، مسکرائے پوچھا، اس کا نام کیا رکھا ہے؟ عرض کیا گیا کہ اس کا نام 'حرب' تجویز کیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: "نہیں، اس کا نام 'حسن' ہو گا۔ یہ انوکھا نام سرزمین عرب میں معروف نہ تھا۔ ساتویں دن 2 مینڈھے عقیقے کے لیے ذبح کیے گئے۔ سر کے بال اتروا کر ان کے ہم وزن چاندی اللہ کی راہ میں دی گئی۔

رسول اقدس ﷺ اپنے نواسے کو دیکھ کر مسرت کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ اسے پل بھر دیکھنے کے لیے اکثر اپنی لخت جگر خاتون جنت فاطمۃ الزہراء کے گھر تشریف لے جایا کرتے۔ جب یہ چلنے کے قابل ہوئے تو اکثر وبیشتر مسجد نبوی میں آ جاتے، رسول اقدس ﷺ اگر نماز میں مشغول ہوتے تو یہ معصومانہ انداز میں کھیلتے کبھی قیام کی حالت میں ٹانگوں کے درمیان سے گزرتے کبھی سجدے کی حالت میں پیٹھ پر سوار کبھی آپ اسے اپنی گود میں اٹھا لیتے۔

"ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" کا خوشنما منظر دیکھ کر آپ خوش ہوتے۔

اس طرح ان کے چھوٹے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بھی محبت وشفقت بھرے انداز میں پیش آتے۔ ایک دفعہ آپ نے اپنے دونوں لاڈلے نواسوں کو گود میں بٹھایا ہوا تھا، آپ نے ان دونوں کی طرف محبت بھرے انداز میں دیکھتے ہوئے ارشاد فرمایا: "یہ دونوں شہزادے میرے لیے دنیا کی خوشبو ہیں۔ یہ دونوں جنت کے نوجوانوں کے سردار ہوں گے۔"

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"میرا یہ بیٹا سردار ہے، امید ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔"

آپ کی پیشین گوئی اس وقت سچ ثابت ہوئی جب انہوں نے رضائے الٰہی کے حصول اور امت مسلمہ کے مفاد کی خاطر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مسند خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا اور امت کو خونریزی سے بچا لیا۔ (حکمران صحابہ از محمود احمد غضنفر)

آپ ﷺ اسے اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر مسکرائے پھر اس سے بیعت لی!

سیدہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا نے جب ہجرت کی تو وہ اس وقت حاملہ تھیں جب وادی قباء میں پہنچی تو اس نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو جنم دیا۔ وہ اسے لے

کر رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے نومولود کو اپنی گود میں لیا پھر ایک کھجور منگوائی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم نے گھر میں کھجور تلاش کی اور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔ آپ نے اسے چبایا اور پھر اس نومولود کے منہ میں ڈال دیا، اس طرح اس کے بدن میں سب سے پہلی غذا جو داخل ہوئی وہ رسول اقدس ﷺ کا لعاب دہن تھا۔

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ پھر رسول اقدس ﷺ نے اس کے سر پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا، اس کے لیے رحمت کی دعا کی اور اس کا نام عبد اللہ رکھا۔ جب اس کی عمر سات آٹھ سال ہوئی تو اس کے والد سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اسے لے کر بیعت کے لیے رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اسے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر مسکرائے پھر اس سے بیعت لی۔ (صحیح مسلم)

سیدنا عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے ابا جان ایک روز رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے سنگی لگائی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، یہ خون ایسی جگہ پھینک آؤ جہاں تجھے کوئی نہ دیکھتا ہو۔ وہ باہر گیا اور خون پی لیا، واپس آئے تو رسول اقدس ﷺ نے پوچھا خون کا کیا کیا؟ عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اپنی دانست کے مطابق سب سے زیادہ مخفی جگہ میں اسے انڈیلا، آپ نے یہ بات سن کر ارشاد فرمایا:

"مجھے یوں محسوس ہوتا ہے، شاید آپ نے اسے پی لیا ہے۔ عرض کی، ہاں یا رسول اللہ ﷺ! آپ کی بات درست ہے۔ آپ نے جلال میں آکر کہا، ارے بھائی آپ نے خون کیوں پی لیا؟

لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے جسم میں جو حیرت انگیز طاقت تھی وہ اسی خون کی برکت کا اعجاز تھا۔ (حلیۃ الاولیاء، مستدرک حاکم، مجمع الزوائد)

محمد بن ابی یعقوب بیان کرتے ہیں کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ملتے تو خوشی کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرماتے:

"رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی کے بیٹے حواری رسول زبیر بن عوام کے فرزند ارجمند خوش آمدید۔ اور اس کی خدمت میں ایک لاکھ درہم پیش کرنے کا حکم صادر فرماتے۔ (تہذیب از ابن عساکر)

ابن جریج بن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا گیا۔ تو آپ نے اس کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "اس کے کیا کہنے، کتاب اللہ کا علامہ، پاک دامن، اس کا باپ زبیر بن عوام اس کی والدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما، اس کا نانا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، اس کی پھوپھی سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، اس کی خالہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، اس کی دادی صفیہ بنت عبد المطلب۔

یہ نصیب کی بات ہے۔ یہ پاکیزہ و اعلیٰ نسبتیں اعلیٰ مقدر والے ہی کو ملتی ہیں۔ (صحیح بخاری، حلیۃ الاولیاء، مستدرک حاکم؛ حکمران صحابہ از محمود احمد غضنفر)

☆☆☆

دین اخلاق ہی کا نام ہے

حافظ ابن قیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"دین تمام تر حسن اخلاق ہی سے عبارت ہے، جو اخلاق عالیہ میں تم سے بڑھا ہوا ہے، وہ دین میں تم سے زیادہ ہے۔"

خلفاے راشدین کی محبت اور اس کی برکات

امام ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَنْ أَحَبَّ أَبَا بَكْرٍ فَقَدْ أَقَامَ الدِّينَ ، وَمَنْ أَحَبَّ عُمَرَ فَقَدْ أَوْضَحَ السَّبِيلَ ، وَمَنْ أَحَبَّ عُثْمَانَ فَقَدِ اسْتَنَارَ بِنُورِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ ، وَمَنْ أَحَبَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى ، وَمَنْ قَالَ الْحُسْنَى فِي أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ بَرِئَ مِنَ النِّفَاقِ

"جس نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے محبت کی، اس نے دین کو قائم کیا؛ جس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے محبت کی، اس نے راہِ حق کو واضح کر دیا؛ جس نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت کی، اس نے نورِ خداوندی سے روشنی پائی؛ جس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت کی، اس نے مضبوط حلقے کو تھام لیا اور جس نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے باب میں اچھی بات کہی، وہ نفاق سے بری ہو گیا۔ (کتاب الثقات، ابن حبان؛ البدایۃ والنھایۃ)

مشاجراتِ صحابہ اور علماے سلف

وجاء رجل إلى الإمام أبي زرعة الرازي - رحمه الله- فقال : يا أبا زرعة أنا أبغض معاوية . قال : لِمَ ؟ قال : لأنه قاتَل عليا . فقال أبو زرعة : إن ربَّ معاوية ربٌّ رحيم وخصمَ معاوية خصمٌ كريم فما دخولك أنت بينهما _رضي الله عنهم_ أجمعين .

ایک شخص امام ابو زرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا ہوں؟ امام نے پوچھا: کیوں؟ کہا: کیوں کہ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی۔ امام ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "معاویہ کا رب رحیم ہے اور ان کے مد مقابل کریم ہیں؛ تو بیچ میں دخل دینے والا کون ہے؟"

(حوالہ فتح الباری)

حل حلول سے حبرون الخلیل کی طرف روانگی

حل حلول کا یہ علاقہ خالص فلسطینی ریاست کا حصہ تھا۔ شہر سے باہر نکلتے وقت ایک اُجڑا اُسا دیار نظر آیا۔ پوچھنے پر بتایا گیا یہ مہاجرین کا کیمپ تھا جہاں فلسطینی زبردستی جمع کیے جاتے تھے۔ دل پہلے ہی رنج و غم سے ڈوبا ہوا تھا اس کیمپ کی پھٹی پرانی حالت دیکھ کر مزید چبھن ہونے لگی۔ کچھ کلو میٹر بعد پھر اسرائیل کے زیر تسلط علاقہ شروع ہو گیا اور یہاں کا مشہور شہر الخلیل ہے، جسے "حبرون" بھی کہا جاتا ہے اور شاید "نابلس" بھی کیونکہ پرانی تفاسیر میں سیدنا یوسف علیہ السلام کا مقام تدفین نابلس لکھا گیا ہے، جو یہیں ہے اور راقم نے بھی تفسیر سورہ یوسف بنام "حسن و جمال کا چاند" میں نقل کیا ہے۔ یہاں پہنچ کر بھی فلسطینی بچوں کی غربت دیکھ کر دل خون کے آنسو رویا۔ یہ خالص سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زر خرید جگہ تھی۔ یہیں انہوں نے اپنے اور اپنے خاندان کے دفن ہونے کیلئے ایک غار بھی متعین کی تھی۔ یہاں کی مسجد الخلیل میں ان کی قبور کے نشانات ہیں۔ ہم نے طہارت خانے جا کر وضو کیا وہاں برطانیہ سے آئے ہوئے کافی لوگ وضو بنا رہے تھے۔ ہندوستان سے تعلق رکھنے والے کئی افراد جو 'بولٹن' 'پریسٹن' اور 'بلیک برن' (برطانوی شہروں) سے تعلق رکھتے تھے۔ وضو بنا رہے تھے۔ اپنے بھائیوں کو یہاں اتنی تعداد میں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کچھ کے ساتھ تعارف بھی ہوا۔ حبرون پر بھی اور مسجد الخلیل پر بھی یہودیوں کا قبضہ ہے۔ سیکیورٹی بڑی سخت ہے جس سے گزر کر ہم مسجد میں داخل ہوتے ہیں۔ مسجد میں جا کر ظہر و عصر کی نمازیں جمع کیں۔

اسی مسجد میں قبور والی غار کا دہانہ بند کر کے چھوٹے سے سوراخ پر جالی فٹ کر دی گئی ہے۔ اسی غار میں واقع قبور کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ تقریباً ساٹھ ستر گز نیچے ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام، ان کی زوجہ سیدہ سارہ، سیدنا اسحٰق علیہ السلام ان کی بیوی حضرت رفقہ کی قبور نیچے ہیں اور اوپر محض نشانات۔ مسجد ابراہیمی کا ایک حصہ ممنوع ایریا ہے۔ اس پر اسرائیلیوں نے تالے ڈال رکھے ہیں بلکہ دیوار بنا کر مسجد الخلیل کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ بتایا گیا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام، سیدنا ایوب علیہ السلام اور ان کی فیملی کی قبور شریفہ کو الگ کر رکھا ہے۔ یہ کیسی نالائق اولاد ہے جو بعد از مرگ بھی انہیں الگ الگ رکھنے پر مصر ہے، حالانکہ وہ سب انبیاء ایک دوسرے کے ساتھ رشتے میں بھی جڑے ہوئے تھے اور دینی طور پر بھی، ایک ہی دین۔۔۔ دین اسلام کے ماننے والے تھے، ان بدعتی اور مشرکوں نے انہیں بھی بابا جمال و جہال کی طرح مال میراث بنا رکھا ہے۔ ان قبور کی زیارت عام دنوں میں نہیں کی جا سکتی۔ عجیب تماشا ہے کہ یہ مسجد الخلیل یہودی قبضے میں ہے اور تولیت مسلمانوں کی ہے، لیکن وہاں اذان کیلئے قابضین کی اجازت ضروری ہے۔ وہ اجازت دیں تو اذان ہو گی۔ اجازت نہ دیں تو بیٹھے رہیں اور بغیر اذان کے ہی نمازیں ادا کریں۔ ہم نے تو ایک نماز اذان کے بعد ہی باجماعت ادا کی تھی۔ عصر بھی ساتھ ہی پڑھ لی کہ حالت سفر میں ہیں۔ بعد میں قبور انبیاء بلکہ اپنے جد امجد کی قبر مبارک کے سائن پر کھڑے ہو کر میں سوچتا رہا۔ میرے ذہن میں کائنات کی اس عظیم ہستی کی تاریخ گھومنے لگ گئی۔ یہ ابو الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش بابل (عراق) کا شہر "ار" ہے۔ انہوں نے تقریباً 100 سال تک لوگوں کو اپنی قوم کو بلکہ حاکم وقت کو مسلمان کرنے میں دعوت دی لیکن نتیجہ کیا نکلا کہ انہیں آگ میں پھینک دیا جو باذن الٰہی گلزار بن گئی اور آپ سلامتی کے ساتھ اس سے نکل آئے اور اللہ کے حکم سے آپ نے اپنی زوجہ سیدہ سارہ اور بھتیجے لوط کے ساتھ مصر کی طرف ہجرت کی۔ وہاں کے بادشاہ نے ان کی غیر معمولی شخصیت سے مرعوب ہو کر اپنی شہزادی ہاجرہ آپ کے عقد میں دے دی۔ جن کے بطن سے حق تعالیٰ نے پہلا بیٹا اسماعیل عنایت فرمایا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس نومولود کو اس کی والدہ سمیت وادی حجاز وادی غیر ذرع (بے آب و گیاہ) لیجاؤ۔ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس جگہ چھوڑ آئے جہاں آج کعبۃ اللہ ہے۔ یوں یہ وقت کی شہزادی اپنے معصوم بچے کے ساتھ تن تنہا لق و دق صحراء میں اللہ کی رضا کی خاطر سختیاں سہتی رہی۔ جبکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام دعوت و تبلیغ میں مصروف رہے۔ اس دوران میں اللہ نے پہلی بیوی سارہ کی گود بھی ہری کر دی۔ ان کے بطن سے دوسرا بیٹا اسحٰق تولد ہوا۔ آپ فلسطین کے علاقے حبرون میں تشریف لے آئے۔ چھوٹے بیٹے سیدنا اسحٰق علیہ السلام کی پرورش یہاں ہوئی۔ بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے وادی حجاز میں اللہ کی عبادت کیلئے دنیا میں سب سے پہلے ایک گھر تعمیر کیا جسے بیت اللہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور چھوٹے بیٹے اسحٰق نے بیت اللہ کی تعمیر کے 40 سال بعد یہاں ایک مسجد بنائی جسے مسجد اقصیٰ کہا

جاتا ہے۔ گویا یہ خاندان جہاں بھی گیا اللہ کی عبادت کیلئے گھر بناتا رہا۔ انہی کی سنت کو ان کے لخت جگر خاتم الانبیاء ﷺ نے زندہ کیا۔ مدینہ پہنچتے ہی پہلے مسجد قبا اور پھر مسجد نبوی تعمیر کی اور آپ کے امتیوں نے دنیا کے سارے کنارے اللہ کی مساجد سے بھر دیے۔ سبحان اللہ العظیم۔

بعد میں انہی کی ذریت میں ایسے نالائقوں نے جنم لیا جنہوں نے دین اسلام کو یہودیت میں پھر عیسائیت میں بدل دیا۔ یوں جس توحید کیلئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ساری زندگی صرف کر دی تھی اسے اس نالائق ذریت نے شرک میں بدل ڈالا اور آج دنیا میں سب سے زیادہ ظلم پھیلانے والے یہی لوگ ہیں اور ان کا دعوی ہے کہ وہ ابراہیمی دین کے وارث ہیں۔ "برعکس نام نہند زنگی کافور" مسجد الخلیل میں ان پاکباز ہستیوں کی قبور ہیں، ان جگہوں کی نشاندھی کیلئے نشانات بنادیے گئے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول "سرور انبیاء علیہ السلام کی تربت شریفہ کے علاوہ کسی نبی کی قبر مبارک کی بالکل صحیح جگہ کی نشاندھی نہیں کی جاسکتی۔

اسی غار کے اوپر بنی ہوئی مسجد الخلیل میں داخل ہوں تو سیدہ سارہ کی قبر مبارک دکھائی دیتی ہے۔ دروازے میں داخل ہوں تو بائیں طرف دو قبور ہیں ایک حضرت رفقہ زوجہ نبی اسحق علیہ السلام اور اس سے متصل خود نبی اسحق کی قبر شریف، اس کے پہلو میں ایک بہت بڑا اونچا منبر ہے۔ جسے سلطان صلاح الدین ایوبی نے نصب فرمایا تھا۔ دائیں طرف ایک چھوٹا ساجنگلہ ہے جہاں پہلے کبھی سیڑھیاں ہوا کرتی تھیں جو قبور شریفہ تک جاتی تھیں۔ سیکیورٹی نقطہ نظر سے ان سیڑھیوں کو بند کر دیا گیا اور وہاں ایک نشان بنا دیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک دروازہ ہے جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قبر شریف کی طرف کھلتا ہے۔ اس کے بعد سیدنا یعقوب علیہ السلام اور سیدنا یوسف علیہ السلام اور سیدنا ایوب علیہ السلام کی قبور ہیں جنہیں اسرائیلیوں نے یہاں تسلط کے بعد ایک دیوار بنا کر الگ کر ڈالا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی زیارت صرف رمضان المبارک کے آخری عشرے میں کروائی جاتی ہے۔ ہم نے ان سب پاکباز ہستیوں پر درود و سلام پڑھ کر ہدیہ عقیدت پیش کیا اور دیر تک وہاں کھڑے رہے اور اس احساس کے ساتھ کھڑے رہے کہ ہم جیسے گناہگار اور بے مایہ لوگ کتنی پاکباز ہستیوں کے سامنے کھڑے ہیں۔ اللہ مالک الملک کا یہ احسان عظیم اور اپنے عجز و بے مائیگی کا احساس بڑی شدت سے ہو رہا تھا۔ وہاں کینیڈا، ترکی اور مصر سے آئے ہوئے زائرین میں سے بعض کے ساتھ ملاقات ہوئی اور تحیہ وسلام کا تبادلہ ہوا۔

تاریخی عجوبہ... منبر ایوبی کی موجودگی

مسجد الخلیل میں بھی ایک عجوبہ دیکھنے کو ملا اور وہ تھا سلطان اسلام حضرت صلاح الدین ایوبی نور اللہ مرقدہ کا بنایا ہوا منبر، جو بالکل اصلی حالت میں موجود ہے۔ روایت کے مطابق سلطان مصر صلاح الدین ایوبی نے بڑی بڑی تین مساجد کیلئے تین منبر بنوائے تھے۔ جب وہ بھی عیسائی قابضین پر حملہ آور ہوتے تو یہ تینوں منبر اپنے ساتھ رکھتے۔ 16 جنگوں کے بعد اللہ نے حق کو فتح عطا فرمائی تو ان میں سے ایک منبر مسجد اقصیٰ میں ٹکایا گیا اور دوسرا اسی مسجد ابراہیمی میں اور تیسرا دمشق کی جامع مسجد میں۔ مسجد اقصی میں موجود منبر 1969 تک 9 سو سال تک علماء و خطباء کے زیر استعمال رہا۔ پھر ایک بدبخت یہودی نے اسے آگ لگادی اور وہ جل گیا۔ وہ اسی حالت میں مسجد اقصی کے پہلو میں موجود ہے۔ باقی دونوں منبر سلامت ہیں۔ اللہ انہیں بدبختوں کی شرارتوں سے محفوظ رکھے۔ یہ منبر 14 فٹ اونچا ہے اور تاریخ کا عجوبہ ہے کہ اتنے بڑے منبر کو بغیر کسی کیل کے یا گلو کے بنایا گیا ہے۔ اگر اس میں کوئی کیل استعمال کیا گیا ہوتا یا گلیو لگائی گئی ہوتی تو اب تک اکھڑ چکا ہوتا۔ مگر 918 سال سے یہ منبر پوری آب و تاب کیساتھ موجود ہے۔ الحمدللہ۔ اتنی زبردست ڈیزائننگ ہے کہ آدمی عش عش کر اٹھتا ہے۔ لگتا ہے پورے ایک دیو ہیکل درخت کو خوبصورت تکنیک کے ساتھ منبر میں ڈھالا گیا ہے جسے دیکھ کر آدمی ورطہ حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔ مجھے اس منبر کے ساتھ کھڑے ہو کر اس علاقے، اس مسجد مبارک اور اس کے بانی سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور اس منبر کے بانی سلطان صلاح الدین ایوبی کی شخصیت کا تعارف کرانا تھا۔ بیان کچھ ایسا دلسوز ہو گیا کہ آنکھوں سے آنسو بے اختیار نکلنے کیلئے بیتاب رہے، کچھ اس جگہ کی عظمت و اہمیت کچھ سلطان صلاح الدین کی شجاعت اور کچھ امت مسلمہ کی بیچارگی اور کچھ یہ احساس ستا رہا تھا کہ آج ہم جیسے گناہگار اس مقدس و تاریخی جگہ پر کھڑے ہیں جو محض اللہ کا فضل ہی ہے ورنہ

کہاں میں اور کہاں نکہت گل۔۔ نسیم صبح تیری مہربانی

آپ کو مسجد الخلیل مسجد ابراہیمی کی زیارت کا موقع ملے تو اس عظیم الشان شاہکار کو اس نظر سے ضرور دیکھئے گا۔ جس سے آپ کو اپنے اسلاف کی عظمت کا احساس ہو گا۔

بیت اللحم۔۔ جائے ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام

الخلیل سے فارغ ہو کر ہم بیت اللحم کیلئے روانہ ہوئے۔ حبرون سے وہ کوئی زیادہ دور نہیں ہے۔ یہ علاقہ خالص مسلمانوں کا ہے یہاں لوگوں پر کوئی ٹیکس عائد نہیں ہے۔ اس لیے عام چیزیں بھی اسرائیلی مقبوضہ علاقوں سے نسبتاً سستی ہیں۔ ہم نے یہاں فلسطینی ہوٹل میں لنچ کیا۔ بازار کا چکر لگاتے ہوئے اپنی بچی فریال کیلئے ایک بڑی خوبصورت فراک پسند آئی۔ جس کی قیمت بہت مناسب تھی اور کچھ ڈرائی فروٹ کے پیکٹ

خریدے۔اسی شہر میں سیدنا داؤد علیہ السلام سے منسوب ایک بہت بڑا محل بھی دریافت ہوا ہے۔ شہر کے قلب میں بلدیہ کے دفاتر ہیں، یہاں فلسطینی پولیس کے خوبصورت جوان نیلی وردیوں میں بڑے خوبصورت اور چاق وچوبند نظر آئے۔بلدیہ کے دفاتر کے ساتھ مسجد ہے جو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ یہاں کا مشہور سیاحتی مقام سیدہ مریم کے نام سے موسوم 14 سو سال پرانا کنیسہ ہے، جس کے بارے میں مشہور ہے کہ سیدنا عیسی علیہ السلام کی ولادت کی جگہ پر بنا ہوا ہے ۔اس کے مرکزی گیٹ میں سے داخل ہوں تو دائیں جانب اس چرچ کا بہت بڑا حصہ برائے فروخت صلیب کے نشانات اور پرچموں سے اٹا پڑا ہے، گویا اس نام سے کاروبار خوب چمک رہا ہے۔اتنی دیر میں ایک فلسطینی سپاہی جو چرچ کا انتظام کرتے ہیں، میرے پاس آیا سلام کیا، حال احوال پوچھا اور بولا کہ آپ نے چرچ اندر سے دیکھنا ہے، میں نے کہا: ہاں! تو بولا آپ ٹوکن لے لیں۔ میں نے کہا: یا اخی! اب تو ہم آگے نکل آئے ہیں واپسی ناممکن ہے تو وہ خاموش ہوگیا۔ہم بغیر ٹوکن لیے جوتوں سمیت چرچ کے اندرونی حصے میں داخل ہوگئے ، جائے ولادت پر جانے کیلئے بہت نشیبی ایریا کے لیے چھوٹے سے دروازے سے باری باری گزرنا پڑتا تھا۔ بڑی تعداد میں سیاح حضرات مرد وعورت قطار بنائے ہوئے اندر داخل ہونے کے منتظر تھے۔وہاں خواتین کو بھی حجاب پہننا پڑتا تھا۔یعنی اصل چیز حجاب ہی ہے جو "نن" کا مستقل لباس ہے، لیکن مسلمان عورت کا زیور ہونے کی وجہ سے قابل اعتراض ہے۔ یہ عزت نسواں کا لازمی عنصر ہے، نشان عفت و پاکدامنی ہے اور مذہبی تقدس کا حصہ بھی۔ عیسائیوں کے ہاں صرف کنواری مریم حجاب پہنتی ہے اور امت اسلام کی ہر بیٹی عفیفہ مریم وعائشہ وفاطمہ کی پیروکار ہے۔

اپنی باری آنے پر ہم اندر داخل ہوئے تو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی جگہ ایک شیلف بنی ہوئی ہے جسے بتیوں سے روشن رکھا گیا ہے۔ قرآن کریم میں جذع النخلة (کھجور کا تنا بتایا گیا تھا) اس جگہ کی نشاندھی میں کھجور کے مصنوعی پتے رکھے ہوئے ہیں۔ یعنی قرآن کے بیان کی تصدیق کی گئی ہے ۔یا قرآن نے جو بیان کیا گیا اسے ہی تسلیم کیا گیا ہے ۔عیسائی عورتیں بچے مرد سبھی اس جگہ سجدہ کرتے ہیں اسے چومتے ہیں اور اب موبائل فون نے سیلفی کا رواج ڈال دیا ہے۔اب بجائے سجدے کے زیادہ تر سیلفیاں بنائی جاتی ہیں۔وہاں سے آگے کئی تاریخی نشانات جو انہوں نے محفوظ کیے گئے ہیں دکھائے گئے اور ہم چرچ سے باہر آئے تو ایک بگھی رکی جس پر سے ایک نوجوان لاٹ پادری زرق برق لباس پہنے سیکیورٹی گارڈز کے ہمراہ اترا، جیسے ہمارے ہاں دولہن بنے پیران طریقت اترتے ہیں۔ سارا مجمع اس کی ظاہری شان و شوکت سے مرعوب ہوکر اس سے مصافحہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔بتایا گیا کہ کسی یورپی ملک کا مسیحی رہنما ہے پھر اور ہم آگے بڑھ گئے۔ چرچ کے باہر ایک معمر فلسطینی بزرگ مسجد اقصیٰ اور ان علاقوں کی تصاویر بیچ رہا تھا۔ ہم نے اس کی حوصلہ افزائی کیلئے چند سیٹ خرید لئے۔ پھر سڑک پار کرکے تین سو گز دور، تین منزلہ مسجد عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں چلے گئے اور نوافل ادا کیے۔ کہا جاتا ہے کہ کلیسائے مریم میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پادریوں سے مذاکرات کے دوران نماز کا وقت آنے پر لاٹ پادری کی پیشکش پر چرچ کے اندر ہی نماز ادا کرلی تھی۔ جس سے مسلمانوں کے لیے غیر مسلم عبادت گاہوں میں کچھ تحفظات کے ساتھ نماز ادا کرنے کا جواز بنا۔ لاٹ پادری نے اپنی خوشی سے مسجد کی جگہ مسلمانوں کیلئے وقف کردی۔ جہاں آج خوبصورت مسجد بنی ہوئی ہے ۔جبکہ یروشلم میں مسجد اقصی کے پڑوس میں واقع كنيسة القيامہ میں باوجود پیشکش کے امامنا وسیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نماز ادا نہیں کی۔ کیونکہ حالات کا اختلاف تھا۔ بہر حال خلیفہ اسلام کی رواداری ایک غیر متنازعہ حقیقت ہے جسے آج تک ملت اسلامیہ فخر کے ساتھ پیش کرتی ہے۔اور اس ملت کا حق ہے کہ وہ اس پر فخر کرے۔اس مسجد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آرائش سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے دور ہمایوں میں بھی کی گئی تھی۔اب اسے بہت خوبصورت اور جدید طرز تعمیر سے آراستہ کیا گیا ہے۔

فلسطین کے شہر "بیت اللحم" کا تعارف

فلسطین کے مشہور شہر "بیت اللحم" سے مقام موسی، اریحا وغیرہ کی طرف روانہ ہونے سے پہلے ہم اس شہر کی تاریخی اہمیت و حیثیت سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں، بیت اللحم کا لفظی معنی تو عجیب سا ہے یعنی گوشت یا روٹی کا گھر یا وہ علاقہ جہاں کثرت سے پھل اور رزق پایا جاتا ہو۔کہا جاتا ہے کہ بیت اللحم کنعانیوں کے خدا "لحمو" یا "لاخاما" کی طرف منسوب ہے، یاد رہے کہ آرامی خداؤں میں اس نام کا معبود "واؤ کی شد کے ساتھ قوّت بمعنی طاقت۔ یا ۔واؤ کے سکون کے ساتھ۔قُوت (جیسے قوت لایموت۔نپا تلا رزق) بمعنی روزی کا معبود سمجھا جاتا تھا۔۔۔وهو إله القوة--او اله القوت (روزی) وهي كلمة آرامية تعني الخصب والثمار۔

عبرانی بائبل کے مطابق یہ کنعانی شہر اسرائیلی بادشاہ "رحجام" کی طرف منسوب ہے۔ہم نے بچپن میں بیت اللحم کا نام بائبل میں پڑھا تھا۔سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت کے طور پر۔اس لیے جب ہمیں بتایا گیا کہ آج ہم بیت اللحم کی وزٹ کیلئے جارہے ہیں تو ذہن میں عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی۔اس شہر کی تاریخ، کوئی ساڑھے تیرہ سو سال قبل ولادت مسیح بتائی جاتی

ہے۔یروشلم کی تاریخ بیان کرتے ہوئے گزشتہ صفحات میں ہم بتا چکے ہیں کہ بنی اسرائیل کے 12 قبیلوں میں جب یہ علاقہ تقسیم ہوا تو یہ علاقہ بنی بنیامین (جو یوسف علیہ السلام کے چھوٹے بھائی بنیامین کی اولاد) کے حصے میں آیا تھا۔اسی لیے اسی علاقے میں سیدنا یوسف علیہ السلام اور بنیامین کی والدہ سیدنا یعقوب نبی کی زوجہ سیدہ راحیل کی قبر موجود ہے۔جس کا ذکر میں کر چکا ہوں۔"بیت اللحم "کو شہر داؤد بھی کہا جاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام کی ولادت بھی بیت اللحم میں ہوئی تھی۔ شہر کے شمالی جانب سیدنا داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب ایک کنواں بھی ہے اور انہوں نے ایک بہت بڑا محل بھی یہاں بنایا تھا۔ اسی صدی میں اس محل داؤدی کے آثار بھی دریافت ہوئے ہیں۔ شہر بیت اللحم ،یروشلم سے مشرقی جانب صرف چھ سات میل دور ہے، دوسری صدی میں رومی بادشاہ قیصر ہیڈریان نے اس شہر کو بھی تباہ کر دیا تھا۔نبی کریم ﷺ کی ولادت سے تین سو سال پہلے ایک اور رومی بادشاہ قسطنطین Constanstine نے یہودیت چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر لی تھی۔اس بادشاہ کی والدہ ہیلن بڑی مذہبی عورت تھی ، اس نے 327عیسوی میں اسے دوبارہ آباد کیا اور330عیسوی میں جائے ولادت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر گرجا گھر "کنیسۃ المھد" کے نام سے تعمیر کرا دیا۔یاد رہے کہ اسی بیگم ہیلن نے یروشلم کا کنیسۃ القیامۃ بھی تعمیر کروایا تھا۔ہجرت کے سولہویں سال637عیسوی میں، خلیفہ ثانی، فخر امت، سیدنا واما منا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد ہمایوں میں اسے بھی یروشلم کے ساتھ فتح کر لیا گیا تھا۔اس وقت یہاں یہودیوں کا داخلہ بند کیا ہوا تھا۔لیکن سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یروشلم کی طرح بیت اللحم میں بھی یہودیوں پر عائد ہر قسم کی پابندیاں ختم کر دی تھیں۔اس چرچ میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نماز بھی ادا کی تھی، جس سے غیر مسلموں کی عبادتگاہوں میں چند شرائط کے ساتھ نماز پڑھنے کا جواز ملتا ہے۔

بیت اللحم میں دور عباسی یعنی خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں بڑی ترقی ہوئی۔ یہاں کئی مساجد و مدارس قائم کیے گئے، گیارہویں صدی تک یروشلم کی طرح بیت اللحم بھی مسلم ریاست کا حصہ رہا۔1099میں صلیبیوں نے قبضہ کر کے یہاں بھی یروشلم کی طرح بڑی خونریزیاں کیں۔ یونانی آرتھوڈوکس کو ہٹا کر لاطینی پادریوں کا تقرر کیا جنھوں نے جی بھر کر کفر و جہل پھیلایا۔ پھر سلطان صلاح الدین نے اسے فتح کرنے کے بعد یہاں سے صلیبیوں کے اثرات بد کا خاتمہ کر دیا اور اسے ایک پر امن شہر ڈکلیئر کیا۔جہاں تمام مذاہب کو آزادی حاصل رہی ۔1250میں ممالیک حکمرانوں (جیسے تاریخ ہند میں خاندان غلاماں کی حکمرانی تھی، یہی صورتحال شام و نواحی علاقوں میں بھی تھی) نے اس شہر کی دیواریں تباہ کر دیں۔ جنہیں16ویں صدی میں خلافت عثمانیہ کے دور میں دوبارہ تعمیر کیا گیا۔یورپی ممالک کی سازشوں کی وجہ سے 1917میں یہ علاقہ برطانوی فورسز کے قبضے میں آ گیا۔ عثمانیوں کا برائے نام ہی سہی ، لیکن کنٹرول سمجھا جاتا تھا جو عالمی جنگ کے اختتام کے بعد ان کے ہاتھوں سے بھی نکل گیا۔1948میں عرب اسرائیل جنگ کے نتیجے میں اردن کو کنٹرول مل گیا۔لیکن 1967کی چھ روزہ جنگ کے نتیجے میں اسرائیل اس پر قابض ہو گیا۔1995کے اوسلو معاہدے کے تحت بیت اللحم فلسطینی اتھارٹی کنٹرول میں دے دیا گیا۔ بیت اللحم کی مساحت 10611ایکڑ یا4.097مربع میل ہے ۔ اس چھوٹے سے شہر میں 30سے زیادہ ہوٹل300سے زیادہ گھریلو صنعتیں،70بستیاں، تین مہاجر کیمپ ایک کا نام "مخیم عایدہ" دوسرا" مخیم بیت جبرین "اور تیسرے کا نام "مخیم الدھیشۃ" ہے جو 1949اور1950میں قائم ہوئے تھے۔ یہاں31 تعلیمی مدارس کام کر رہے ہیں، اعلی تعلیم کیلئے" بیت اللحم یونیورسٹی" بھی ہے۔جہاں کئی قسم کے علوم وفنون پڑھانے کیلئے مخصوص کالجز ہیں۔

☆☆☆

فضائل سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہل سنت

امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام اسماعیل بن اسحاق القاضی رحمۃ اللہ علیہ ، دونوں کا قول ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اچھی سندوں کے ساتھ جس قدر فضائل بیان ہوئے ہیں ؛ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے اتنے فضائل منقول نہیں ہیں ! یہی بات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہی ہے۔

(محدث ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ، الاستیعاب)

جس دل میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت نہیں

جرح و تعدیل کے جلیل القدر امام ابو العرب صقلی رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں کسی بدبخت نے کہا: مجھے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے محبت نہیں۔ امام صقلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت نہیں رکھتا، وہ ثقہ ہے، نہ قابلِ عزت۔"

(تہذیب التہذیب از امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ: 1/236)

مساجد سے نکالنے اور سنت کے مطابق نماز کی ادائیگی کی اجازت نہ دینے اور مساجد سے نکالنے کے بعد اہلحدیث نے عدالتوں سے رجوع کیا اور یکے بعد دیگرے ان کے حق میں فیصلہ آنا شروع ہوئے تو بعض مخالفین نے پینترہ بدل کر اہل حدیث کو یوں مطعون کرنا شروع کر دیا کہ مساجد کے جھگڑے انگریزی عدالتوں میں کیوں لے جائے جاتے ہیں؟ اس طرح تو اسلام اور اہل اسلام کی بے عزتی ہوتی ہے۔ اہل حدیث کو چاہیے کہ اپنے گھروں میں نمازیں ادا کر لیا کریں، یا عدالتی مقدمات پر اٹھنے والے اخراجات سے اپنے لئے الگ مساجد تعمیر کروالیں۔ یہ وہی بات تھی جسے کسی شاعر نے یوں ادا کیا ہے:

سبھی مجھ سے ہی کہتے کہ نیچی رکھ نظر اپنی
کوئی ان سے نہیں کہتا نہ نکلو یوں عیاں ہو کر

ایسے ناصحوں کے جواب میں ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر میں 1905ء میں کسی بزرگ نے ایک مضمون شائع کرایا تھا جسے بچند ترامیم یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ لکھا ہے:

ہندوستان میں جہاں دوسری دوسری زبانیں نمایاں ترقیاں حاصل کر رہی ہیں وہاں اردو لٹریچر نے بھی کچھ اس طرح دل فریب شکلوں میں اپنے کل پرزے سنبھالے کہ اس کی پیاری اداؤں کو دیکھ دیکھ کر مخالفانہ تقریروں تحریروں پر بھی یگانے تو یگانے بیگانے تک فریفتہ ہوئے اور بمصداق حبك الشئ يعمى و يصم حریفان جو فروش گندم نما کی سخن سازیوں کو عین صلاح سمجھنے لگے اور یہ در حقیقت ایسا ہی جاگتا جادو اور چلتا افسوں ہے کہ جس کی برقی تاثیرات سے بچنا بچانا ہر ایک کا کام نہیں۔

دور کیوں جایئے یہی احناف کرام اور اہل حدیث کی نزاعی دنیا کی سیر سے معلوم ہو جائے گا کہ گذشتہ زمانوں میں عموماً اور فی زمانا بھی پولیٹیکل خیالات سے نا بہرہ یاب دماغ والوں میں خصوصاً جب کہ بے چارے اہل حدیث روز روز کے مظالم توڑے اور مسجدوں سے یاد الٰہی سے روکے جانے کے باعث، تنگ آ کر عدالتوں میں استغاثے کر کے ڈگریاں حاصل کرنے لگے، تو حضرات مقلدین کی تقریروں اور تحریروں نے وہ جگر خراش پیرائے اختیار کئے جن کے معاندانہ اندازوں کو سمجھنے میں معمولی سے معمولی فہم والوں کو بھی ذرا دقت نہیں پڑتی مگر جب ان کی مہذب سوسائیٹیوں سے جلے بھنے فقروں پر بھی اہل حدیث کو آگے ہی بڑھتے اور روز افزوں مقاصد حسنہ میں پوری پوری کامیابی پاتے دیکھا نہ گیا تو بقول شخصے

خوش تر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

اپنے ہی فرقہ والوں کے اظہار تعصب کی اوٹ میں غریب اہل حدیث پر مقدمہ بازیوں سے اختلاف بڑھانے کے الزام لگا لگا کر دلوں کے پھپھولے توڑنے کے ہتھکنڈے نکالے گئے اور دوستی کے پردہ میں ان کو استغاثہ عدالت اور مسجدوں میں جانے کی کوششوں سے باز رکھنے کیلئے بغرض مطلب براری یوں زبان آرائیاں کی جانے لگیں کہ

کسی کا عمل کچھ ہو، حنفیوں کا اہل حدیث کو مسجدوں سے روکنا نازیبا حرکت ہے۔ مگر اہل حدیث کی بھی (باوجود ادعائے اتباع سنت) یہ کیا زبردستی ہے کہ احناف کی مسجدوں میں نماز پڑھیں گے اور اس ضد سے مقدمات مساجد کے فیصلے غیر اقوام سے کرا کر تمام مسلمانوں اور اسلام کو ذلیل کرنے پر تل بیٹھے۔ یہ نفسانیت نہیں تو کیا ہے؟ باوجود مسلمانوں میں ایسے ایسے مقدمات لڑنا جھگڑنا قرآن وحدیث میں کہاں آیا ہے؟ گھروں میں ہی نمازیں کیوں نہیں پڑھ لیا کرتے اور کاش بغیر مسجدوں میں پڑھی نمازیں نہ ہوتی ہوں تو اپنی فرقہ والوں کی مسجد میں پڑھتے یا اگر ان کے فرقے والوں کی مسجد نہ ہوں، تو جو روپئے مقدمہ بازیوں میں صرف ہوتے ہیں ان سے کوئی مسجد ہی علیحدہ بنوالی جاتی، جس کا اثر از روئے سخن کے بھانپنے والوں پر تو کب پڑنے لگا: یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے۔

لیکن ہاں اکثر احناف با انصاف (جنہیں مساجد میں روک ٹوک کرنے اور اہل حدیث سے بغض و عناد رکھنے میں سخت مخالفت ہے) اور احیاناً بعضے افراد اہل حدیث بھی محض چکنی چکنی مصنوعی تقریروں کے دام تزویر میں پھنس کر الٹے دشمنوں ہی کے ہم زبان بن جاتے ہیں۔ حالانکہ ایسے مقدمات وہ اپنی ذات خاص کے لئے ہرگز نہیں لڑتے۔ ان کا مقصود تو یہ ہے کہ انصاف پرور گورنمنٹ کی مدد سے بزور قوانین شرعیہ و نظائر عدالت ہائے عالیہ عوام الناس تک پر اہل حدیث کا پکا مسلمان اور ہر مسجد میں جا کر نماز خوانی کا مستحق ہونا ثابت کر کے، مقدمات مساجد ہی کے ذریعہ سے مسجدوں کے جھگڑے چکائے اور دشمنوں کو فتنہ انگیزیوں سے رکوا کر اپنے ساتھ ساتھ عامہ خلائق پر مسجدوں کے دروازے کھلوائے جائیں

تا کہ کل فرقہ ہائے اہل سنت و الجماعت کو عموماً اور عاملان بالحدیث کو خصوصاً نادانستہ بھی کسی مسجد میں جا کر معرض خطر میں پڑنے کا خوف نہ رہے اور سب بندگان وابستہ کلمہ توحید حنفی ہوں یا شافعی مالکی ہوں خواہ حنبلی اہل فقہ ہوں یا اہل حدیث صاحب شریعت ہوں یا صاحب طریقت (چاہے دل سے کوئی کسی کو کیسا ہی جانے) اپنے شہنشاہ گیتی پناہ کے حضور میں مؤدبانہ سربسجود ہو کر حق غلامی ادا کریں اور انشاء اللہ تعالیٰ الحق یعلو ولا یعلی عنقریب وہ دن آنے والا ہے اور آکر رہے گا۔

رہا اقوام غیر سے مقدمات کے فیصلے کرانا اگر اس کا مورد الزام ہونا چاہیے تو میرے برادران احناف ہی کو، کیونکہ یہی حضرات اس کے باعث ہیں۔ پھر اس میں سب کی رسوائی ہرگز نہیں۔ اگر ہے تو فقط انہی کی جو مسجدوں سے روکتے ہیں، جس کا بہت بڑا صدمہ مجھے خود بھی ہے کہ ایسا بسا اوقات نہایت حسرت سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ افسوس قرآن وحدیث وفقہ کے ایسے صاف متفق علیہا مسائل سمجھیں تو اغیار اور نہ سمجھ میں آئیں ان کی:﴿إِنَّمَا أَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْ إِلَى اللهِ﴾

ہائے مخالفین اسلام انہیں کیا کہتے ہونگے؟ شرم شرم۔ مگر

اے باد صبا ایں ہمہ آوردہ تست

اس میں کسی کا قصور ہی کیا ہے:﴿لَيْسَ لِلْإِ نْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى﴾ جو جیسا کرے گا ویسا بھگتے گا۔

اس کی فکر تو حضور والا ہی کو ہونا تھی اور اگر کوئی شخص کسی کی ذلت و رسوائی ہی کا لحاظ کیا کرے تو شرک وبدعت کے قلع قمع کی فکروں اور دیگر ممنوعات شرعیہ کے مٹانے کی کوششوں میں بھی تو تحریروں تقریروں مباحثوں مناظروں سے کام لینے کے باعث وغیر اقوام کی نگاہوں میں مسلمانوں کی سبکی کا احتمال پیدا ہو سکتا ہے تو کیا کسی طریق سے احقاق حق کا ارادہ ہی نہ کیا جائے۔

علاوہ ازیں اہل حدیث نے یہ جھگڑا مٹانے کے لئے پہلے کیا کچھ کوششیں نہیں کیں۔ کتابیں لکھیں، مستند آئمہ احناف دور از اعتساف کے فتوے شائع کئے۔ اس پر بھی جب لوگ باز نہ آئے، شب وروز ظلم وستم پر کمربستہ ہی رہے اور علمائے حق پسند احناف اور بڑے بڑے ریفارمر بھی (جو اس وقت لمبے لمبے لیکچروں میں اہل حدیث کی چارہ جوئی عدالت پر طعنہ زنیاں کر رہے ہیں) اپنی اپنی بدنامیوں کے ڈر یا، واللہ اعلم کسی اور مصلحت سے مہر بلب بیٹھے ناروا ظلموں کو دیکھا کئے اور کسی طرح ان ستم زدوں کی فریادوں پر توجہ نہ دی، تو عدالتوں میں سلسلہ جنبانیاں کرنا پڑیں۔ ایسی حالت میں بھی انہیں کے سر الزام رکھنا اگرچہ نمک بر جراحت پاشیدن، کا مضمون ہے۔

اور باہم مسلمانوں میں ایسے ایسے مقدمے دائر کرنے کا ثبوت قرآن وحدیث میں ہے یا نہیں؟ اس کی نسبت میرا یہ سوال ہے کہ دلیل من حیث الوقوع مانگی جاتی ہے یا من حیث امکان الوقوع۔ بصورت اول معترضین کی طلب دلیل سے ان کی ناواقفیت کا تعجب خیز اثر پڑتا ہے کیونکہ شارع ﷺ کے عہد مبارک میں ایسے جھگڑوں کا کوئی سبب ہی نہ تھا، پھر وقوع نزاع سے کیا سروکار؟ بلکہ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، پھر تابعین و تبع تابعین و آئمہ مجتہدین و دیگر اکابر دین کے زمانہ میں بھی باوجود اختلاف مسائل مزاحمت مساجد کی ناپاک تکراریں سنی تک نہ گئیں، چہ جائے کہ خلفاء عظام یا سلاطین عالی مقام کے پاس استغاثہ کی نوبت پہنچنا۔ تو بھی معترضین کا تھوڑی دیر کے لئے دل خوش کرنے کو کہہ دیتا ہوں کہ اس کا ثبوت من حیث الوقوع قرآن وحدیث کیا معنی فقہ وتفسیر واقوال بزرگان تک سے نہیں ملتا ہے لیکن اس کا نہ ملنا آپ کے مفید مطلب نہیں، یہ اہل حدیث کا مثبت مدعی ہے اور شق ثانی کی کافی دلیل بایں طور کہ زمانہ نبوی ﷺ کے بعد بھی کچھ زیادہ بارہ سو برس تک کسی مسلمان کا کسی مسلمان کو بفحوائے آیہ کریمہ:﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهُ وَسَعَى فِيْ خَرَابِهَا﴾ مسجدوں سے نہ روکنا صاف بتا رہا ہے کہ یہ مزاحمت ایک فعل منکر ہے اور جو فعل منکر ہے وہ اپنے خلاف کے معروف ہونے کو مستلزم ہے تو مسجدوں میں جانے دینا بھی ایک خاص فرد، افراد معروفات سے ہوگا کیونکہ اس سے روکنا ایک خاص فرد، افراد منکرات سے ہے اور بحکم قرآنی:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾

ارشاد محمدی ﷺ:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرَنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوْشَكَنَّ اللهُ أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَاباً مِنْ عِنْدِهِ... الخ

ہر معروف کے لئے عموماً امر اور ہر منکر کے واسطے عموماً نہی واجب ہے اور چونکہ خاص عام کے افراد سے اور احکام میں اس کا تابع ہوا کرتا ہے اس لئے مسجدوں میں جانے دینے کے لئے بھی امر اور اس سے روکنے کے لئے نہی واجبات سے ہوئی۔ پھر ہر ایک ان میں سے (امر ہو، چاہے نہی) کبھی تو بلاواسطہ ہوتا ہے کبھی بواسطہ۔ اول محتاج دلیل نہیں اور ثانی یا تو کنایۃً ہوگا یا نیابۃً۔

پہلی صورت پر سرور کائنات سید الموجودات ﷺ کا ہرقل کے پاس بایں مضمون:

فإني أدعوك بداعية الإسلام اسلم تسلم ... الخ

نامہ بھیجنا، اور دوسری صورت پر آپ کا حضرت معاویہ ﷺ کو یہ تعلیم دے کر

إنك تأتي قوما من أهل الكتاب فادعهم إلى شهادة أن لا إله إلا الله وأني رسول الله فإن هم أطاعوا لذلك فأعلمهم أن الله افترض عليهم خمس صلوات في كل يوم وليلة فإن هم أطاعوا لذلك فأعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم فترد في فقرائهم فإن هم أطاعوا لذلك فإياك وكرائم أموالهم واتق دعوة المظلوم فإنه ليس بينها وبين الله حجاب

یمن کی طرف روانہ کرنا شاہد عدل ہے اور اس میں شک نہیں کہ مقدمات دائر کرکے حکام سے بصدور ڈگری مسجدوں میں جانے کی اجازت دلوانا اور مزاحمت سے باز رکھوانا بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بالواسطہ کا ایک نہایت ہی مضبوط اور مستحکم ذریعہ ہے، تو قرآن شریف و حدیث سے ایسے مقدمات دائر کرنے کا من حیث امکان الوقوع جواز ہی نہیں بلکہ وجوب ثابت ہوگیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر واقعی مہذب سوسائٹی والوں کو (بلا طرف داری کسی خاص فریق کے) اہل اسلام کی ان باہمی لڑائیوں سے روحانی صدمہ پہنچتا اور مسجدوں سے روکے جانے کو ایک ظالمانہ کاروائی تصور فرماتے تو انہیں حضرات مانعین ہی سے اس ناجائز حرکت کی دلیل طلب کرکے بصورت عدم ثبوت مظالم کے روکنے اور مقدمہ بازیوں کی نوبت نہ آنے دینے میں جانیں لڑانا تھیں، لیکن عجب حیرت کا مقام ہے کہ باوجود ہنگامہ عظیم برپا رہنے کے بھی جب تک من جانب اہل حدیث عدالتی کاروائیاں نہیں کی گئی تھیں کسی کے دل میں بھی (بقول باطل ان کی) تمام اہل اسلام یا اسلام کی بدنامی کا خیال تو پیدا نہیں ہوا۔

اور اب اہل حدیث کو عدالتوں سے کامیاب اور مزاحموں کو ذلیل وخوار ہوتے دیکھ کر دلوں میں اس قدر درد پیدا ہوگیا کہ گوشے گوشے سے یہی صدائیں سنی جاتی ہیں کہ مقدمات مساجد کے باعث اسلام اور اہل اسلام کی سخت رسوائی ہو رہی ہے، تو کیا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی دلی خواہش یہی ہے کہ اہل حدیث ہمیشہ ہمیشہ کو مسجدوں سے رکے رہیں؟ میری دانست میں تو تھوڑی فہم کا بھی آدمی بول اٹھے گا کہ ضرور یہی بات ہے اور کل ذی شعور اس ابلہ فریب پالیسی کو سمجھ جائینگے:

کرشمے غمزے سب او فتنہ عالم سمجھتے ہیں
تری اس چشم دزدیدہ کے تیور ہم سمجھتے ہیں

اور اب بھی گیا کیا ہے؟ اگر دل میں اسلام اور مسلمانوں کا سچا درد ہے تو حسبۃ للہ اپنا اپنا عزیز و قیمتی وقت تھوڑا تھوڑا صرف کرکے ہر ہر شہر کے بارسوخ لوگ اپنے اپنے علاقہ کے علمائے احناف کو اکٹھا کرکے اس بات کی فہمائش کر دیں اور جہاں تک بنے مقدمات کے نتائج بد سمجھا کر یہ کہہ دیں کہ اختلافی مسئلوں میں بحث مباحثہ کریں نہ کریں، کتابیں لکھیں نہ لکھیں، مگر کسی مسجدوں کی آمد و شد میں مزاحم نہ ہوں اور در صورت مخالفت سب لوگ ان کی ہمدردیوں سے دست بردار ہو جائیں پھر دیکھیں کہ کس طرح رات دن کی کشاکش سے نجات ہو جاتی ہے اور خدانخواستہ اس پر بھی وہ نہ مانیں تو آئندہ ان کی تقدیر۔ (ہفت روزہ اہل حدیث امر تسر 25۔اگست 1905ء ص 4-8)

حواشی

(حاشیہ نمبر 1) فقہی مذاہب اربعہ

امام ابو حنیفہ پہلی صدی ہجری کے اواخر میں پیدا ہوئے تھے اور امام احمد بن حنبل 241ھ-855ء) میں فوت ہوئے۔ جو صحابی اور تابعی کسی بھی سلسلے (سیاحت، قتال، اخبار، تبلیغ) میں ہندوستان تشریف لائے وہ نہ حنفی ہو سکتے تھے، نہ مالکی یا شافعی یا حنبلی کیونکہ یہ امام تابعین کے دور میں یا تو موجود ہی نہ تھے یا ان میں کچھ ابھی طالب علمی کے دور سے گذر رہے تھے۔ اسی طرح کوئی بھی تبع تابعی، حنفی شافعی مالکی حنبلی مقلد کیوں کر ہو سکتا ہے کہ تبع تابعین کا دور ختم ہو گیا لیکن ان میں سے کچھ امام تو ابھی پیدا ہی نہ ہوئے تھے اور جو پیدا ہو چکے تھے وہ یا تو طالب علمی کے دور سے گذر رہے تھے یا ابھی نو آموز تھے اور اساتذہ کی نگرانی میں تدریس و افتاء کا آغاز کر رہے تھے۔ یوں کوئی صحابی، کوئی تابعی، کوئی تبع تابعی، حنفی شافعی مالکی حنبلی نہیں تھا اور تمام مسلمان (جو خارجی، رافضی، معتزلی نہیں تھے) جو اسلام کے اس ابتدائی دور میں سندھ اور ہند میں وارد ہوئے وہ اہل حدیث تھے۔ ایسے لوگ سینکڑوں نہیں، ہزاروں بلکہ شائد لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ ان بزرگوں کی تبلیغ و جہاد کے نتیجے میں جن ہزاروں لاکھوں سندھیوں اور ہندیوں نے اسلام قبول کیا وہ بھی اہل حدیث تھے۔ ثانی الذکر لوگوں میں بہت سے افراد نے حصول علم کیلئے عرب ملکوں کا رخ بھی کیا اور بہت سے افراد نے بعد میں خارج از ہند و سندھ بلاد اسلامی کو اپنا مستقر بنایا۔ ان میں بعض صاحب سیف تھے، بعض صاحب قلم، بعض صاحب مسند تدریس۔ بعض تاجر، بعض دیگر پیشوں سے وابستہ تھے۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆